تنظیم اسلامی کا ترجمان

37

ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

www.tanzeem.org

27 صفر تا 3 ربیع الاوّل 1443ھ/5 تا 11 اکتوبر 2021ء

مشعلِ راہ حکمران

سیدنا فاروق اعظم ؓ کی مبارک زندگی اسلامی تاریخ کا وہ روشن باب ہے جس نے ہر تاریخ کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ آپؓ نے حکومت کے انتظام وانصرام، بے مثال عدل وانصاف، عمالِ حکومت کی سخت نگرانی، رعایا کے حقوق کی پاسداری، اخلاص نیت وعمل، جہاد فی سبیل اللہ، زہد وعبادت، تقویٰ اور خوف وخشیت الٰہی اور دعوت کے میدانوں میں ایسے ایسے کارہائے نمایاں انجام دیے کہ انسانی تاریخ ان کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ انسانی رویوں کی گہری پہچان، رعایا کے ہر فرد کے احوال سے بروقت آگاہی اور حق وانصاف کی راہ میں کوئی رکاوٹ برداشت نہ کرنے کے اوصاف میں کوئی حکمران فاروق اعظم ؓ کا ثانی نہیں۔ آپؓ اپنے بے پناہ رعب وجلال اور دبدبہ کے باوصف نہایت درجہ سادگی، فروتنی اور تواضع کا پیکر تھے۔ آپؓ کا قول ہے کہ ہماری عزت اسلام کے باعث ہے، دنیا کی چکا چوند کے باعث نہیں۔ سیدنا عمر فاروق ؓ کے بعد آنے والے حکمرانوں میں سے جس نے بھی کامیاب حکمران بننے کی خواہش کی، اسے فاروق اعظم ؓ کے قائم کردہ ان زریں اصول کو مشعل راہ بنانا پڑا جنہوں نے اس عہد کے مسلمانوں کی تقدیر بدل کر رکھ دی تھی۔

''شہید المحراب عمر بن خطاب''
سید عمر تلمسانیؒ

اس شمارے میں

اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
کائنات میں چار بہترین چیزیں
یکساں نصاب تعلیم: رحمت یا زحمت؟
حضرت خولہ ؓ بنت قیس
نظامِ خلافت کی اہمیت
کیا اسلامی ریاست کے قیام کا....

الھدیٰ (955)

ڈاکٹر اسرار احمدؒ

منکرین کا غرور خاک ہو جائے گا

سُوْرَۃُ الْفُرْقَان | بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ | آیت:23

وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰہُ ھَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾

آیت ۲۳: ﴿وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰہُ ھَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿۲۳﴾﴾ ”اور ہم آگے بڑھیں گے ان کے ہر عمل کی طرف جو انہوں نے کیا ہوگا اور کر دیں گے اسے اڑتا ہوا غبار۔“

یہ بہت عبرتناک منظر کی تصویر ہے۔ یہ دراصل ایسی نیکیوں کا ذکر ہے جن کی بنیاد ایمانِ حقیقی پر نہیں رکھی گئی تھی۔ آخرت میں ایسے اعمال کی حیثیت اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی فضول اور قابل حقارت چیز کی سی ہوگی جسے کوئی دیکھتے ہی فٹ بال کی طرح ٹھوکر مار کر ہوا میں اچھال دے۔ یہ اُن دنیا پرست اور ریاکار لوگوں کے انجام کا نقشہ ہے جو ظاہری نیکیوں کے انبار لے کر میدانِ محشر میں آئیں گے۔ دنیا میں انہوں نے خیراتیں بانٹی تھیں‘ یتیم خانے کھولے تھے‘ ہسپتال بنائے تھے‘ مسجدیں تعمیر کرائی تھیں‘ مدارس کی سرپرستی کی تھی‘ حج وعمرے کیے تھے‘ مگر ان اعمال کو سرانجام دیتے ہوئے اللہ ربّ العالمین کی رضا جوئی اور آخرت کے اجر وثواب کو کہیں بھی مدّنظر نہیں رکھا گیا تھا۔ کہیں عزّت وشہرت حاصل کرنے کا جذبہ نیکی کا محرک بنا تھا تو کہیں پارسائی وپرہیز گاری کا سکہ جمانے کی خواہش نے عبادات کا معمول اپنایا تھا۔ کبھی الیکشن جیتنے کی منصوبہ بندی نے خدمتِ خلق کا لبادہ اوڑھا تھا تو کبھی کاروباری ساکھ کو بہتر بنانے کے لالچ نے متقیانہ روپ دھارا تھا۔ غرض ہر نیکی کے پیچھے کوئی نہ کوئی دُنیوی مفاد کارفرما تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ جو علیم بذاتِ الصدور ہے‘ اس کے نزدیک ایسی کسی نیکی کی کوئی اہمیت و وقعت نہیں۔ چنانچہ ایسے بدقسمت لوگوں کی نیکیوں کے انبار اور اعمالِ صالحہ کے پہاڑ جب اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوں گے تو انہیں گرد وغبار کے ذرّات کی طرح تحلیل کر دیا جائے گا۔

یہ مضمون یہاں تیسری بار آیا ہے۔ پہلے سورۃ ابراہیم کی آیت 18 میں ایک تمثیل کے ذریعے ایسے اعمال کی بے بضاعتی کا ذکر ہے اور دوسری مرتبہ سورۃ النور کی آیت 39 میں بغیر ایمان کی نیکیوں کا ذکر ہے۔

فرمان نبویؐ

علم کی طلب وتحصیل ہر مسلمان پر فرض ہے

عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: ((طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ))

(رواہ البخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ”علم کی طلب (وتحصیل) ہر مسلمان پر فرض ہے۔“

تشریح: جو شخص بھی مسلمان ہے اُس کے لیے ضروری ہے کہ وہ دین اسلام کے متعلق ضروری معلومات حاصل کرے، تاکہ وہ اوامر و نواہی اور جائز اور ناجائز سے واقف ہو اور دینی تعلیمات پر عمل کر سکے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پسندیدہ دعا ہے ﴿رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا﴾۔ ”اے اللہ! میرے علم میں اضافہ فرما۔“

❀❀❀

ہفت روزہ
لاہور
ندائے خلافت
تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر
تنظیم اسلامی کا ترجمان نظامِ خلافت کا نقیب
بانی: اقتدار احمد مرحوم
27 صفر تا 3 ربیع الاوّل 1443ھ جلد 30
5 تا 11 اکتوبر 2021ء شمارہ 37
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
مدیر: ایوب بیگ مرزا
ادارتی معاون: فرید اللہ مروت
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور
مرکزی دفتر تنظیم اسلامی
''دارالاسلام'' ملتان روڈ چوہنگ لاہور۔ پوسٹل کوڈ 53800
فون: 78-35473375 (042)
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور۔ 54700
فون: 03-35869501 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org
قیمت فی شمارہ 15 روپے
سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک ...... 600 روپے
بیرون پاکستان
انڈیا ---------------- (2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
''مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن'' کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے
Email:maktaba@tanzeem.org
''ادارہ'' کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

اداریہ
ایوب بیگ مرزا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے

ہمارے لیے یہ فیصلہ کر لینا کوئی مشکل نہیں کہ 1938ء میں لیگ آف نیشنز طبعی موت نہیں مری تھی بلکہ وہ قتل عمد تھا۔ پھر 1945ء میں اقوامِ متحدہ (United Nations Organization) جس طرح قائم ہوئی اور جس انداز میں اُس کے قواعد وضوابط ترتیب دیے گئے، اُس سے اِس بہیمانہ قتل کے Beneficiary بے نقاب ہو گئے۔ اقوامِ متحدہ میں سلامتی کونسل کے نام سے ایک ادارہ در ادارہ قائم کر دیا گیا۔ امریکہ، سوویت یونین، برطانیہ اور فرانس اِس اقوامِ متحدہ کے باپ یا ولی ٹھہرائے گئے۔ بعد ازاں پانچواں ملک عوامی جمہوریہ چین شامل کر لیا گیا۔ یہ پانچ ممالک مستقل ممبر قرار پائے۔ ساری طاقتیں سلامتی کونسل کے حوالے کر دی گئیں جس کی پاس کردہ قرارداد پر عمل درآمد لازم قرار دیا گیا۔ لیکن مذکورہ بالا اِن پانچ ممالک میں سے ہر ایک کے پاس ویٹو پاور ہوگی اور وہ ایک ملک، ساری دنیا کے فیصلے پر خطِ تنسیخ پھیرنے پر قادر ہوگا۔ لیکن اسرائیل اور بھارت جیسے منہ زور ممالک سلامتی کونسل کو بھی ٹھینگا دکھا سکتے ہیں کیونکہ جس امریکہ نے اِس اقوامِ متحدہ اور سلامتی کونسل کو جگہ مہیا کی ہوئی ہے بلکہ پناہ دی ہوئی ہے، یہ دونوں ممالک اُسے بہت عزیز ہیں۔

ہم نے قارئین کرام سے اقوامِ متحدہ کا مختصر سا تعارف اِس لیے کرایا ہے تاکہ وہ جان سکیں کہ دنیا کے باہمی تنازعات ختم کرانے اور اُنھیں انصاف فراہم کرنے والا ادارہ خود کتنی غیر منصفانہ بنیادوں پر کھڑا کیا گیا ہے۔ یہ ادارہ Right is Might کا نہیں بلکہ Might is Right کا قائل ہے۔ اِس وقت جب کہ اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کے چھہترویں (76) سالانہ اجلاس کو ختم ہوئے ابھی چند دن ہوئے ہیں، ہمیں صرف اس کا تعارف کروانا مقصود تھا وگرنہ اس ادارے کی چھہتر (76) سالہ کارکردگی افشاں کر کے ہم بتاتے کہ یہ ادارہ کس طرح اکثر و بیشتر حق کی بجائے طاقت کے ساتھ کھڑا ہے۔ ستمبر میں اقوامِ متحدہ کا سالانہ اجتماع ہوتا ہے اور اِس میں سب سے پہلی تقریر امریکی صدر کی ہوتی ہے۔ یہ حق امریکہ کو اس لیے ملا ہوا ہے کیونکہ امریکہ کا شہر نیو یارک اقوامِ متحدہ کی پناہ گاہ ہے۔ سرِ راہ یہ بھی عرض کرتے چلیں کہ نیو یارک میں بہت یہودی آباد ہیں اس لیے اِسے طنزاً جیو یارک بھی کہا جاتا ہے۔ امریکی صدر نے اپنی تقریر میں بہت کچھ کہا، لیکن اُن کا ایک جملہ آنے والے وقت میں امریکی عزائم کو بے نقاب کرتا ہے۔ صدر بائیڈن نے کہا کہ ''آنے والی دہائی بڑی فیصلہ کن ہوگی'' یہ بات اُنھوں نے جمہوریت اور انسانی حقوق کے حوالے سے کہی۔ اُن کی تقریر سے یہ بات اخذ کی جاسکتی ہے کہ اب امریکہ جمہوریت اور انسانی حقوق کی 'پامالی' پر عملی اقدام اُٹھائے گا۔ لیکن پون صدی پر محیط امریکی تاریخ اور امریکی حکومتوں کے طرزِ عمل پر آپ غور کریں تو آپ آسانی سے اِس نتیجہ پر پہنچ جائیں گے کہ کوئی ملک اگر امریکی مفادات کا تحفظ کر رہا ہے اور اُنھیں آگے بڑھا رہا ہے تو وہاں کی بدترین آمریت اُنھیں جمہوریت سے زیادہ عزیز ہوگی۔ اسی طرح اگر امریکہ کا کوئی حامی ملک انسانی حقوق کے چیتھڑے بھی اُڑا رہا ہے تو وہ حق بجانب ہی تصور ہوگا۔ جمہوریت کے حوالے

سے سعودی عرب اور مصر جیسے ممالک کی مثالیں دی جاسکتی ہیں اور انسانی حقوق کے حوالے سے بھارت سب سے بڑی مثال ہے۔ بھارت میں ہندتوا کو رائج کرنے کے لیے کیسے کیسے انسانیت سوز واقعات سامنے آئے ہیں۔ کشمیر میں انسانی حقوق کے حوالے سے کیا کچھ نہیں ہورہا۔ روزانہ آزادی کے متوالوں کو بے دردی سے شہید کیا جارہا ہے۔ مرحوم سید علی گیلانی کی لاش کو جس طرح ورثاء سے زبردستی چھین کر اپنی مرضی سے دفن کر دیا گیا لیکن امریکہ بہادر نے 'جمہوریت' اور 'انسانی حقوق' کے حوالے سے اپنے عزائم کا اظہار کرنے کے فوراً بعد بھارت سے اپنے تعلقات بڑھانے اور مستحکم اور مضبوط کرنے کا اعلان بھی کر دیا۔ لہٰذا قول وفعل کے بدترین تضاد میں مبتلا اِن نام نہاد ''بڑوں'' کی باتوں پر کیسے یقین کریں؟ اس حوالے سے جو اگلی دہائی کو فیصلہ کن قرار دیا جارہا ہے اسی کو عملی شکل دینے کے لیے Quad کو متحرک اور Aukus کے قیام کا اعلان کیا ہے۔ اِن اتحادوں کا اصل مقصد یہ ہے کہ چین اگر اپنی اقتصادی اور عسکری قوت مزید بڑھاتا ہے تو ہم اُسے بزورِ بازو روک سکیں گے۔

امریکہ نے اُن مسلمان ممالک کے لیے جو دنیا میں Strategically کوئی اہمیت رکھتے ہیں، یہ طرزِ عمل اور رویہ اختیار کیا ہوا ہے کہ یا تو وہ امریکہ کے مفادات کے تابع اپنی پالیسیاں بنائیں وگرنہ امریکی قوت کا مزہ چکھیں۔ مشرقِ وسطیٰ کے تمام مسلمان ممالک امریکہ کے آگے جھک چکے ہیں۔ ابھی چند سال پہلے کی تو بات ہے کہ پاکستان بھی امریکہ کو یس سر کہنے والے ممالک کی فہرست میں تھا لیکن اب اُس کا جھکاؤ چین کی طرف ہو چکا ہے۔ افغانستان، پاکستان، ایران اور شام کا جھکاؤ اب امریکہ کی طرف نہیں ہے۔ اِن چار ممالک میں سے شام کا معاملہ یہ ہے کہ وہ اگرچہ امریکی قوت کا مزہ چکھ رہا ہے لیکن روس جس طرح شام کی پشت پر ہے امریکہ کے لیے اُسے گرا لینا آسان نہیں ہوگا۔ ایران کا معاملہ مشکوک ہے۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ امریکہ اور ایران واقعتاً ایک دوسرے کے اتنے مخالف اور دشمن ہیں یا یہ نورا کشتی ہے، رہ گیا افغانستان وہاں سے تو امریکہ نکل چکا ہے۔ امریکی اپنی آئندہ نسلوں کو وصیت کریں گے کہ افغانستان میں کبھی داخل نہ ہونا پھر یہ کہ اب افغانستان کے پاس ہے کیا جو امریکہ چھین سکے گا۔ لہٰذا اصل نشانہ پاکستان ہی بنے گا۔ حال ہی میں 22 امریکی ریپبلکن سینیٹرز نے امریکی سینٹ میں ایک بل پیش کر دیا ہے کہ جن سٹیٹ اور نان سٹیٹ ایکٹرز، خصوصاً پاکستان نے طالبان کی مدد کی، اُن کی انکوائری کی جائے۔ ظاہر ہے امریکہ اُن سے بدلہ لے گا۔ بل میں افغان طالبان پر پابندیوں کا مطالبہ بھی کیا گیا ہے۔ خصوصاً 2001ء سے لے کر 2020ء تک افغان طالبان کی مدد میں پاکستان کے کردار کی کھوج لگائی جائے اور دیکھا جائے کہ پاکستان نے افغان طالبان کو کن کن ذرائع سے درج ذیل معاملات میں مدد فراہم کی:

"Provision of space, financial assistance, intelligence sharing, logistic and medical support, training, equipping, tactical and operational support and strategic direction."

بل میں یہ بھی مطالبہ کیا گیا ہے کہ اشرف غنی کی حکومت کے خاتمے اور پنج شیر کے fall میں پاکستان کا کیا کردار رہا، اس کا کھوج لگایا جائے۔ یہ بھی مطالبہ سامنے آیا کہ پاکستان پر پابندیاں لگائی جائیں۔ سیدھی سادی بات ہے کہ بل پاکستان کے ہاتھ پاؤں باندھنے کے لیے پیش کیا جارہا ہے۔ بہت سے دیگر امریکیوں کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ افغانستان میں شکست کا ملبہ پاکستان پر گرایا جائے گا۔ امریکی وزیر دفاع اور دو بڑے جرنیلوں نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ ISI اور افغان طالبان کے تعلقات پر صرف ''بند کمرے'' میں بات ہوسکتی ہے۔ لہٰذا پاکستان کے عوام اور حکمرانوں کو الرٹ ہونا پڑے گا۔ دشمن بڑا بھی ہے، طاقتور بھی ہے اور اصل بات یہ ہے کہ رذیل خصلت کا حامل ہے۔

پاکستان کے وزیر اعظم عمران خان نے جنرل اسمبلی سے ورچوئل خطاب کیا ہے۔ اُن کا یہ خطاب بھی ماضی کی طرح جرأت مندانہ تھا۔ اِس میں اُنھوں نے بھارت کی خوب خبر لی۔ آر ایس ایس کی دہشت گردی کا ذکر کیا۔ امریکہ کو بھی صاف صاف کہہ دیا کہ وہ اُسے ایک عرصہ سے کہہ رہے تھے کہ افغانستان کے مسئلے کا کوئی فوجی حل نہیں، امریکہ افغانستان میں جنگ کے ذریعے کبھی کامیاب نہیں ہوسکے گا۔ اُسے سیاسی مذاکرات کرنے ہوں گے۔ لیکن امریکہ نے اُن کی نصیحت پر کان نہیں دھرے۔ آج کس منہ سے امریکہ پاکستان کو الزام دے رہا ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ اب بھی افغانستان میں نئی حکومت کی سپورٹ کر کے ہی خطے میں امن قائم کیا جاسکے گا۔ اُنھوں نے افغان طالبان کو بھی کہا کہ وہ بھی اپنے مؤقف میں لچک پیدا کریں۔ ایک وسیع البنیاد حکومت قائم کرنے کے ساتھ ساتھ وہ تمام وعدے جو اُنھوں نے آغاز میں عالمی برادری سے کیے تھے، اُنھیں پورا کریں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہماری خارجہ پالیسی اللہ جانتا ہے، سیاسی حکومت بناتی ہے یا اسٹیبلشمنٹ بناتی ہے۔ ہماری رائے میں امریکہ سے بتدریج دور ہونا اور چین کے قریب ہونا جو ہمارا ہمسایہ بھی ہے، ایک اچھی اور مفید پالیسی ہے۔ لیکن ہمارا اصل ہدف ایک آزاد اور خود مختار خارجہ پالیسی ہونا چاہیے جس میں ہم امریکہ ہو یا چین اپنے قومی مفاد کے خلاف کسی کے دباؤ کو قبول نہ کریں۔ موجودہ حکومت کی خارجہ پالیسی کا ذکر آیا ہے تو داخلی سطح پر بھی حکومت کی کارکردگی کا ذکر ہونا چاہیے۔ ہم انتہائی افسوس اور صدمہ سے کہیں گے کہ داخلی طور پر حکومت بہت بُری طرح ناکام ہے۔ اِس حوالے سے اگر کہا جائے حکومت رہے حکومت تیری کون سی کل سیدھی تو غلط نہ ہوگا۔ گزشتہ تین سال میں مہنگائی میں خوفناک اضافہ ہوا ہے۔ غریب ہی نہیں متوسط طبقہ بھی بُری طرح کراہ رہا ہے۔ بیروزگاری بھی بڑھ گئی ہے۔ گڈ گورننس کا فقدان ہے۔ اندرونِ ملک امن وامان کی صورت حال بھی اچھی نہیں ہے۔ عوام کی اکثریت موجودہ حکومت سے انتہائی بے زار ہے۔ حکومتی وزراء اور محکمے ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں۔ اپوزیشن سے سیاسی اختلافات ذاتی دشمنی میں بدل چکے ہیں۔ کرپشن کے شور سے آسمان سر پر اُٹھایا ہوا ہے، لیکن عملی طور پر کسی کو سزا نہیں مل سکی۔ جس کی وجہ سے احتساب کا عمل بُری طرح بدنام ہوا ہے۔ موجودہ حکومت کو سوچنا چاہیے کہ آئندہ الیکشن میں اُنھوں نے پاکستان کے عوام ہی سے ووٹ لینے ہیں۔ عالمی سطح پر اُن کی تقاریر کو سراہے جانے سے اندرونِ ملک اُنھیں ووٹ نہیں ملیں گے۔ وزیر اعظم صاحب یاد رکھیں کہ اچھی تقاریر سے لوگوں کے پیٹ نہیں بھرتے۔ افسوسناک حقیقت یہ ہے کہ عوام کی بہتری کے حوالے سے کوئی سیاسی جماعت اور کوئی سیاسی لیڈر سنجیدہ نظر نہیں آتا۔ اِس وقت ہمارا ملک ایک بے مہار اونٹ کی طرح ہے۔ کوئی باہر سے آ کر ملک کی بہتری نہیں کرے گا یہ کام خود پاکستانیوں کو کرنا ہوگا۔ ہمارے پاس تو اہلِ پاکستان کے لیے ایک ہی پیغام ہے:

اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

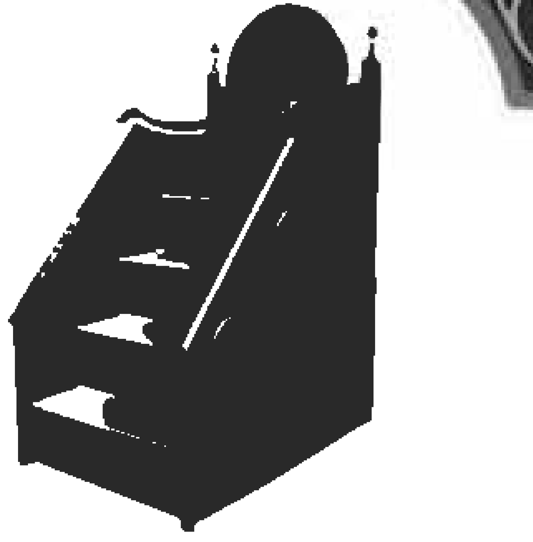

کائنات میں چار بہترین چیزیں

(سورۃ الرحمٰن کی ابتدائی آیات کی روشنی میں)

جامع مسجد شادمان ٹاؤن کراچی میں امیر تنظیم اسلامی محترم شجاع الدین شیخ حفظہ اللہ کے 17 ستمبر 2021ء کے خطابِ جمعہ کی تلخیص

خطبہ مسنونہ اور تلاوت آیات کے بعد!

قرآن مجید کے سلسلہ وار مطالعہ کے ضمن میں آج ہم ان شاء اللہ سورۃ الرحمٰن کا مطالعہ کریں گے۔ اکثر لوگوں کو اس کی تلاوت کا بھی ذوق وشوق ہوتا ہے اور ہونا بھی چاہیے مگر اس کے ساتھ مفاہیم اگر سامنے ہوں تو تلاوت کا بھی لطف بڑھے گا، اجر میں بھی اضافہ ہوگا اور جو قرآن حکیم کا ایک مقصد ہے کہ اس سے ہدایت حاصل کی جائے وہ بھی پورا ہوگا۔ ان شاء اللہ۔

سورۃ الرحمٰن کی پہلی چار آیات کا آج ہم ان شاء اللہ مطالعہ کریں گے۔ مفسرین کی ایک بڑی تعداد کے مطابق سورۃ الرحمٰن مکی سورت ہے۔ خاص معاملہ یہ ہے کہ سورۃ الرحمٰن میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنات دونوں سے بیک وقت خطاب کیا ہے، یہ دونوں مکلف ہیں اور دونوں پر شریعت کے احکام لاگو ہوتے ہیں۔ دونوں سے اللہ تعالیٰ کا تقاضا یہ ہے کہ:

''اور میں نے نہیں پیدا کیا جنوں اور انسانوں کو مگر صرف اس لیے کہ وہ میری بندگی کریں۔'' (الذاریات:56)

جب تک انسان کی تخلیق نہیں ہوئی تھی تب تک جنات میں سے ہی کوئی جن پیغمبر ہوتا تھا جو اللہ کی طرف سے ہدایات جنات تک پہنچاتا تھا لیکن جب اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کا ارادہ فرمالیا تو اس کے بعد جنات کو بھی اس بات کا تابع کردیا کہ جو انبیاء ورسل انسانوں میں آئیں گے انہی کے ذریعے جنات کو بھی تعلیم پہنچے گی۔ اب قرآن حکیم اور نبی اکرم ﷺ کی تعلیم انسانوں اور جنات دونوں کے لیے ہے۔ روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نماز فجر میں تلاوت قرآن فرما رہے تھے۔ جنات نے قرآن کی تلاوت سنی اور وہ آپ ﷺ پر ایمان لے آئے۔ اس سے قبل وہ شریعت موسوی کے پیروکار تھے۔ یہ واقعہ سورۃ الاحقاف میں بھی ہمارے سامنے آتا ہے۔ پھر سورۃ الجن ایک مکمل سورت ہے۔ اُس میں بھی مشرک اور مومن جنات کا تذکرہ آتا ہے۔ احادیث سے بھی ہمیں پتہ چلتا ہے نبی اکرم ﷺ نے جنات کو بھی تعلیم عطا فرمائی۔ یہ دونوں مخلوقات (انسان اور جنات) کل اللہ تعالیٰ کے ہاں جوابدہ ہیں۔ روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کرامؓ کے پاس آئے اور ان کے سامنے سورہ رحمٰن شروع سے آخر تک پڑھی، صحابہ کرامؓ سن کر خاموش رہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے یہ سورہ جنات کو پڑھ کر سنائی تو انہوں نے تمہارے بالمقابل اچھا جواب دیا: جب یہ آیت پڑھتا:

مرتب: ابو ابراہیم

﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝﴾ ''تو تم دونوں اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں اور قدرتوں کا انکار کرو گے؟''

تو وہ کہتے: (لَا بِشَیْءٍ مِنْ نِعَمِکَ رَبَّنَا لَا نُکَذِّبُ فَلَکَ الْحَمْدُ) ''اے ہمارے رب! ہم تیری نعمتوں میں کسی نعمت کا بھی انکار نہیں کرتے، تیرے ہی لیے ہیں ساری تعریفیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے اس جواب کو بہت پسند فرمایا۔ اور آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ جس طرح جنات نے یہ جواب دیا تھا اسی طرح جب تم یہ آیت پڑھو تو اسی طرح جواب دیا کرو۔ یہ آیت اس سورت میں 31 مرتبہ آئی ہے۔ جب ہم تلاوت کررہے ہوں یا سن رہے ہوں تو کم سے کم ایک مرتبہ ضرور یہ جواب دیا کریں۔

ایک نکتہ یہ بھی بیان کیا گیا کہ سورۃ الرحمٰن کا نام الرحمٰن اس لیے رکھا گیا کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بہت سے مظاہر کا ذکر ہے۔ اگرچہ پہلی آیت ہی الرحمٰن سے شروع ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے تاہم آگے چل کر ہم دیکھتے ہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر ہے، اہل جنت اور ان کو ملنے والی نعمتوں کا تذکرہ ہے، پھر اہل جہنم کے عذاب سے متنبہ کرکے ڈرادیا جانا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مظہر ہے کیونکہ وہی لوگ آج دنیا میں موجود ہیں، ان کے پاس مہلتِ عمل ہے، وقت ہے کہ وہ اپنی اصلاح کرلیں۔ ان کو قرآن کے ذریعے متنبہ کیا جانا، ڈرایا جانا کہ دیکھو اگر سرکشی کرو گے تو تمہارا یہ انجام ہوگا۔ یہ سمجھانا، بتانا یہ بھی اللہ کی نعمت ہے۔ اسی لیے اس سورت میں جہاں ان کے عذابوں کا ذکر آئے گا وہاں بھی یہ آیت آئے گی:

﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۝﴾ ''تو تم دونوں اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں اور قدرتوں کا انکار کرو گے؟''

لہٰذا اسی لیے اس سورت کا نام الرحمٰن رکھا گیا کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی بہت ساری نعمتوں کا بیان ہے۔ بقول استادِ محترم بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی پہلی چار آیات میں 4 عروج کی باتیں بیان فرمائیں۔ پہلے فرمایا:

﴿اَلرَّحْمٰنُ ۝۱﴾ ''(اللہ جو) نہایت مہربان''

یہ اللہ تعالیٰ کا بہت ہی پیارا صفاتی نام ہے۔ اس کی رحمت کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر اور اس کا جوش، اس کا اظہار گویا اس نام کے ذریعے ہمارے سامنے آتا ہے۔

ہمیں اللہ تعالیٰ کی جس صفت کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ یہی ہے۔ چاہے دنیا کا معاملہ ہو یا آخرت میں یوم حساب کا تو اللہ کی یہی صفت ہماری سب سے بڑی تمنا ہوگی۔ مفسرین نے ایک نکتہ یہ بھی بیان کیا ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو مشرکین نے اعتراض کیا کہ ہمیں تو کہتے ہو کہ ایک اللہ کی عبادت کرو اور خود دیکھو کہ کتنے معبودوں کو اختیار کر رکھا ہے۔ معاذ اللہ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا: ''آپؐ کہہ دیجیے کہ تم اللہ کہہ کر پکارو یا رحمن کہہ کر۔'' (بنی اسرائیل:110)

یعنی یہ سب اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام ہیں۔ واحد وہی اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت اپنی جگہ ایک بہت بڑا موضوع ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا پہلا تعارف ہی قرآن حکیم میں یہ کراتا ہے:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○﴾ (الفاتحہ:1،2) ''کل شکر اور کل ثنا اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار اور مالک ہے۔ بہت رحم فرمانے والا' نہایت مہربان ہے۔''

اللہ کی رحمت کے بیان سے قرآن حکیم کا آغاز ہے۔ اسی طرح ایک حدیث قدسی میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

''میری رحمت میرے غضب پر حاوی ہو چکی ہے۔''

کبھی اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی دلجوئی کے لیے یہ بھی فرمایا:

﴿كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ﴾ (انعام:54)

''تمہارے ربّ نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کرلیا ہے۔''

آگے تفصیل ہے کہ جو نادانی میں گناہ کر بیٹھے اور سچی توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرمادے گا۔ اسی طرح قرآن کبھی ہمیں مایوسی سے روکتا ہے اور فرماتا ہے:

''اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا' یقیناً اللہ سارے گناہ معاف فرمادے گا۔ یقیناً وہ بہت بخشنے والا' نہایت رحم کرنے والا ہے۔'' (الزمر:53)

نبی مکرم ﷺ فرماتے ہیں: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی رحمت کے سو حصے فرمائے۔ ایک حصہ مخلوق کو دیا اور ننانوے حصے اپنے پاس رکھے۔ مخلوق صرف انسان نہیں بلکہ ساری مخلوقات اس میں شامل ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک گھوڑی جب حاملہ ہوتی ہے تو احتیاط سے قدم رکھتی ہے کہ اس کے حمل میں موجود بچے کو تکلیف نہ پہنچے، اس گھوڑی کے اندر بھی جو رحمت کا ظہور ہے یہ اللہ کی رحمت کے سو میں سے ایک حصے کا ظہور ہے۔ پھر انسان کو دیکھیں۔ ایک مرد اپنی جگہ باپ بھی ہے، شوہر بھی ہے، بھائی بھی ہے، بیٹا بھی ہے، دوست بھی ہے۔ کتنے رشتے ہیں۔ کتنی محبتیں ہیں؟ یہ جتنی محبتوں اور شفقتوں کا اظہار مخلوق میں دکھائی دے رہا ہے یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سو میں سے ایک حصے کا ظہور ہے تو جس رب نے ننانوے حصے اپنے پاس رکھے ہوں گے اس کی رحمتوں کا عالم کیا ہوگا۔

رحمان کے مفہوم میں ایک جوش ہوتا ہے جس طرح ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر۔ دنیا میں اللہ سرکشوں کو بھی دے رہا ہے۔ وہ رب المسلمین نہیں رب العالمین ہے۔ لیکن اس کی رحمت کے تسلسل میں جو دوام ہے اس کا اظہار صفت الرحیم میں ہے جس کا اصل اظہار تو آخرت میں ہوگا۔ آخرت میں اس کی رحمت کا دوام ہوگا مگر وہاں صرف فرمانبرداروں کے لیے، اطاعت گزاروں کے لیے، جھک جانے والوں کے لیے، سرکشی چھوڑ دینے والوں کے لیے اور تقویٰ کی روش اختیار کرنے والوں کے لیے ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رحمت سے مستفید فرمائے۔ آگے فرمایا: ﴿عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝۲﴾ ''قرآن سکھایا۔''

اگلی آیت ہے:

﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝۳﴾ ''اُسی نے انسان کو بنایا۔''

عجیب بات ہے کہ دنیا میں پہلے انسان آیا اور بعد میں قرآن لیکن یہاں ترتیب میں قرآن کا ذکر پہلے ہے اور انسان کا ذکر بعد میں۔ اللہ کی رحمت کا یہ بھی تو اظہار ہے کہ اس خالق نے مخلوق کو پیدا کر کے چھوڑ نہیں دیا، وہ مخلوق کی ایک ایک حاجت سے واقف ہے۔ اللہ اپنے بارے میں فرماتا ہے:

''اور ہم نے ہی انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم خوب جانتے ہیں جو اُس کا نفس وسوسے ڈالتا ہے۔ اور ہم تو اُس سے

پریس ریلیز یکم اکتوبر 2021ء

کمر توڑ مہنگائی نے غریب ہی نہیں متوسط طبقہ کا جینا بھی حرام کر دیا ہے

شجاع الدین شیخ

کمر توڑ مہنگائی نے غریب ہی نہیں متوسط طبقہ کا جینا بھی حرام کر دیا ہے۔ یہ بات تنظیم اسلامی کے امیر شجاع الدین شیخ نے ایک بیان میں کہی۔ اُنھوں نے کہا کہ حکومت کی غیر دانشمندانہ معاشی پالیسیوں سے ملک میں مہنگائی کا طوفان آ گیا ہے۔ ڈالر ملکی تاریخ کی بلند ترین سطح پر پہنچ گیا ہے۔ ملکی قرضوں میں بے تحاشا اضافہ ہوگیا ہے۔ خام مال مہنگا ہونے سے ملکی صنعتیں بحران سے دوچار ہیں جس سے مہنگائی بے قابو ہوگئی ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ گزشتہ تین سالوں میں کئی وزیر خزانہ اور سٹیٹ بینک کے گورنر بدلے گئے ہیں۔ لیکن صورتِ حال بہتر ہونے کی بجائے ابتر ہوتی چلی گئی۔ اُنھوں نے کہا کہ اِس میں کوئی شک نہیں کہ کرونا وبا کی وجہ سے عالمی سطح پر کساد بازاری ہے اور اِس کے اثرات پاکستان پر بھی پڑے ہیں لیکن حکومتوں کا فرض ہوتا ہے کہ ایسے سنگین حالات سے نمٹنے کے لیے بروقت اور ہنگامی سطح پر منصوبہ بندی کریں نہ کہ عوام کو حالات کے رحم وکرم پر چھوڑ دیں۔ اُنھوں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ غیر ترقیاتی اخراجات میں کٹوتی کر کے عوام کو زیادہ سے زیادہ ریلیف فراہم کرے اور مہنگائی کے خاتمے کے لیے قلیل المدت اور طویل المدت اقدامات کرے۔

(جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشر واشاعت، تنظیم اسلامی، پاکستان)

اُس کی رگِ جاں سے بھی زیادہ قریب ہیں۔‘‘(ق:16)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا، اس کی حاجات و ضروریات سے بھی وہ واقف ہے۔ یہ کائنات بنائی گئی، یہ زمین سجائی گئی ہے پہلے اور پھر انسان کو بعد میں بھیجا گیا۔ بچہ ماں کے بطن میں بعد میں آتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ ماں کے وجود میں اس بچے کی غذا کا اہتمام پہلے فرماتا ہے۔ تو جو اللہ انسان کی مادی، جسمانی حاجات کو پورا کرنے کا ذمہ لیتا ہے وہی رب انسان کی روح کی حاجات کو پورا کرنے کا بھی ذمہ دار ہے۔ انسان کو اللہ نے صرف دنیا کے لیے نہیں آخرت کے لیے بنایا ہے، اس کی آخرت کی نجات کے لیے پہلے دن سے وحی کا سامان کیا۔ پہلے انسان پہلے نبی بھی تھے ۔ ان سے ہدایت کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ لہٰذا جتنا انسان پرانا ہے اتنا ہی ہدایت کا سامان پرانا ہے۔ اسی ہدایت کی تکمیل شدہ شکل قرآن مجید کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے۔ یہ قرآن کا سکھایا جانا اللہ تعالیٰ کی رحمت کا بہت بڑا مظہر ہے۔ سورۂ یونس میں ارشاد ہوتا ہے:

’’(اے نبی ﷺ! ان سے) کہہ دیجیے کہ یہ (قرآن) اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے (نازل ہوا) ہے تو چاہیے کہ لوگ اس پر خوشیاں منائیں! وہ کہیں بہتر ہے ان چیزوں سے جو وہ جمع کرتے ہیں۔‘‘(آیت:58)

دنیا کے اس امتحان میں انسان کی سب سے بڑی ضرورت ہدایت ہے اور اللہ کی سب سے بڑی رحمت قرآن ہے۔ اسی نعمت کے لیے ہم ہر نماز کی ہر رکعت میں اللہ تعالیٰ کے آگے سوالی ہوتے ہیں:

﴿اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ۙ﴾(الفاتحہ)’’(اے ربّ ہمارے!) ہمیں ہدایت بخش سیدھی راہ کی۔‘‘

ہدایت کی نعمت نہ ہو تو دولت انسان کو قارون بنادے گی ، کرسی و اختیار انسان کو فرعون بنا دے گا ، سرداری اور چودھراہٹیں انسان کو ابوجہل اور ابولہب بنا دیں گی۔ ہدایت نہ ہو تو بہترین سے بہترین ٹیکنالوجی انسانوں کو برباد کرنے کے لیے استعمال ہوگی، ہدایت نہ ہو تو کتنا ہی بندہ دنیوی علوم کے اعتبار سے کوالیفائیڈ ہوجائے عین ممکن ہے کہ وہ پوری دنیا کے ساتھ دھوکا کر رہا ہوگا۔ لہٰذا ہدایت سب سے بڑی نعمت ہے۔ ہدایت ہوگی تو ہر شے نعمت ہوجائے گی ورنہ زحمت بن جائے گی۔ اس ہدایت کے تسلسل میں آخری الہامی کتاب قرآن حکیم ہے۔ زیر مطالعہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر پہلے فرمایا اور بعد میں انسان کا ذکر آیا۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ مشرکین مکہ اعتراض کرتے تھے کہ محمد (ﷺ) یہ کلام اپنی طرف سے گھڑ لیتے ہیں۔ معاذ اللہ! اللہ نے اس آیت کے ذریعے فرمایا:

﴿عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ؕ﴿۲﴾﴾ نہیں یہ ان کا کلام نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا سکھایا ہوا کلام ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔ اگلی آیت میں فرمایا:

﴿خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ ۙ﴿۳﴾﴾’’اُسی نے انسان کو بنایا۔‘‘

حالانکہ ساری کائنات کا خالق اللہ سبحانہ تعالیٰ ہے۔ تمام مخلوقات کو اللہ نے پیدا فرمایا لیکن انسان کو اشرف المخلوقات بنایا۔ جب ابلیس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ اے ابلیس! تو نے اسے کیوں سجدہ نہ کیا جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا۔ اس سے انسان کی عظمت اور شرف کا اندازہ ہوتا ہے۔ کبھی اللہ فرماتا ہے:

’’ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا۔‘‘(التین:4)

کبھی فرماتا ہے:

﴿وَلَقَدۡ کَرَّمۡنَا بَنِیۡۤ اٰدَمَ﴾(بنی اسرائیل:70)’’اور ہم نے بڑی عزت بخشی ہے اولادِ آدمؑ کو‘‘

نیز فرماتا ہے:

’’اور یاد کرو جب کہ کہا تھا تمہارے ربّ نے فرشتوں سے کہ میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک خلیفہ۔‘‘(البقرہ:30)

انسان کو اللہ نے خلافت عطا فرمائی۔ یہ حضرت انسان اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا شاہکار ہے۔ انسان کے اندر اللہ نے روح میں سے پھونکا ہے اور اس کو اتنا شرف حاصل ہے کہ اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ لہٰذا ایک رائے بعض اہل علم نے یہ بھی قائم کی ہے کہ عموم کے اعتبار سے یہ انسان اللہ کی تمام مخلوقات میں افضل ترین اور اعلیٰ ترین مخلوق ہے اور ایک رائے یہ بھی ہے کہ یہاں الانسان سے عمومی اعتبار سے تمام انسان مراد ہیں لیکن خصوصی اعتبار سے نبی اکرم ﷺ مُراد ہیں کہ جن پر اللہ نے قرآن کو نازل فرمایا۔ انسانوں کی تخلیق میں بھی شاہکار تخلیق امام الانبیاء ﷺ کی ہے۔ آگے فرمایا:

﴿عَلَّمَہُ الۡبَیَانَ ﴿۴﴾﴾’’اس کو بیان سکھایا۔‘‘

اللہ نے انسان کو بے شمار صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں لیکن ان سب میں بہت بڑی اور اہم ترین صلاحیت یہ ہے جو انسان کو دیگر جانداروں سے ممتاز کر دیتی ہے۔ اسی لیے انسان کو حیوان ناطق کہا جاتا ہے۔

استاد محترم بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ نے ان چار آیات سے ایک بڑا خوبصورت نتیجہ نکالا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان چار آیات میں چار عروج کی باتیں بیان فرمائی ہیں۔

1۔ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات میں سے بہت پیاری اور عروج کی صفت جس کی ہمیں سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ صفت رحمت ہے۔

2۔ اللہ نے انسان کو بہت سارے علوم سکھائے لیکن تمام علوم میں سے عروج کا علم قرآن کا علم ہے۔

3۔ تمام مخلوقات اللہ نے بنائیں لیکن ان سب میں شاہکار مخلوق انسان ہے۔

4۔ اللہ نے انسان کو بہت ساری صلاحیتیں عطا فرمائیں لیکن ان سب میں بہترین صلاحیت بیان کی صلاحیت ہے جو انسان کو دوسرے جانداروں سے ممتاز کرتی ہے۔

ان چار آیات کا حاصل یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی صفت رحمت کے طفیل بہترین علم یعنی قرآن بہترین مخلوق یعنی انسان کو عطا فرمایا، اس بہترین مخلوق کو اپنی بہترین صلاحیت یعنی بیان عطا کی جو کہ قرآن حکیم کے سیکھنے سکھانے کے لیے استعمال کرنی چاہیے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ((خیر کم من تعلم القرآن و علمه))

کبھی ہم اپنے بارے میں سوچیں کہ ہم کون لوگ ہیں؟ ہم نرے انسان نہیں مسلمان بھی ہیں اور مسلمان ہونے کے ناتے محمد مصطفی ﷺ کے اُمتی ہیں۔ اللہ تو ہمیں بڑا بنانا چاہتا ہے اور ہمیں بڑی فضیلت دی ہے:

’’تم وہ بہترین اُمت ہو جسے لوگوں کے لیے برپا کیا گیا ہے‘‘

(آل عمران:110)

﴿ھُوَ اجۡتَبٰىکُمۡ﴾(الحج: 78)’’اُس نے تمہیں چُن لیا ہے‘‘

لیکن ہم آج کیا کر رہے ہیں، اپنی بیان کی صلاحیتیں کہاں صرف کر رہے ہیں اس بارے میں اللہ ہم سے پوچھے گا۔ آج ہم اٹھارہ بیس سال تعلیم حاصل کرتے ہیں، کیا ہم قرآن بھی پڑھتے ہیں، قرآن کے لیے کتنی صلاحیتیں لگتی ہیں؟ ہمارا علم کیا ہے اور اس کا مقصد کیا رہ گیا ہے؟

حالانکہ اللہ کا ہم سے تقاضا کیا تھا؟

فرمایا:

’’تم اللہ کے مددگار بن جاؤ‘‘(الصف:14)

قرآن کا سیکھنا، سمجھنا، عمل کرنا، اس کے احکامات کے نفاذ کی کوشش، اس کے پیغام کو پہنچانا وہ اصل کام تھا جس کے لیے اس اُمت کو چنا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

حضورِ رسالت _ 5 _ (II)

مقامِ عشق و مستی منزلِ اوست
چہ آتش ہا کہ در آب و گِلِ اوست
نوائے او بہ ہر دل سازگار است
کہ در ہر سینہ قاشے از دلِ اوست

ترجمہ عشق و مستی کا مقام اس (عجمی) کی منزل ہے اس کی مٹی اور پانی میں کیسی آگ پائی جاتی ہے۔ اس کے نغمے کی صدا ہر دل کے لیے سازگار ہے، کیونکہ ہر سینے میں اس کے دل سے ایک قاش لگی ہوئی ہے۔

تشریح

یہ عجمی شخص اپنے لہجے اور جذباتی وارفتگی سے اہلِ قافلہ کو متاثر کر رہا ہے اور دوسروں کے دلوں پر گہرے اثرات چھوڑ رہا ہے لگتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ سے شدید محبت (عشق) اور اس کے نتیجے میں ہمہ تن مصروفِ عمل رہنا (اور دوسروں سے کٹ کر اپنی ہی دھن میں مگن رہنا) اس کی منزل ہے۔ اہلِ قافلہ اس کی زبان نہ سمجھ کر بھی اس سے متاثر ہیں اور اگر زبان بھی سمجھیں تو اس کے جادو اثر کلام کا کیا حال ہوگا۔ اس کے اندر کس قدر آگ بھری ہوئی ہے کہ اس کے قریب پورا قافلہ گرمی محسوس کر رہا ہے اور دوسروں کے جذبات میں ہیجان پیدا کر رہا ہے اس ہیجان انگیز کلام و شاعری و فغاں کے کیا کہنے کہ ہر سننے والے شخص کے دل پر گر کر اس کے خفتہ جذبات کو بیدار کر رہا ہے۔ فطرتِ انسانی ایک ہے زبان، لباس و رنگ و نسل کا تفاوت سطحی ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ اس کی نوا ہر مسلمان دل کے لیے سازگار اور موافق ہے بلکہ لگتا ہے کہ ہر (مسلمان) قافلے کے سینے میں اس اعجمی شخص (یعنی شاعر علامہ اقبال) کے مضطرب و بے قرار دل کی ایک قاش موجود ہے جس سے اہلِ کارواں ہم آہنگی سے اس کے نغمہ سے مست ہیں۔ عشق مصطفیٰ ﷺ میں بے قرار دل کی ایک قاش کا یہ حال ہے تو شاعر کے اپنے دل کا حال کیا ہوگا۔

علامہ اقبال کی باتیں اور کلام سن کر سر دُھننا، علامہ اقبال کے حالات، اسفار، ذاتی واقعات پر نئی کتاب لکھ دینا اور ہے مگر فکرِ اقبال کے مطابق پاکستان میں اجتماعی سوچ کو تبدیل کر کے اسلام کے مطابق چلانا___ ایسا شعبہ ہے جس میں کوئی کام ہی نہیں ہو رہا۔ اقبال شناس حلقہ تو اس ضمن میں اپنا کوئی حصہ ڈالنے کو آمادہ ہی نہیں لگتا ہمارے قومی رویوں میں اقبال کے تصورِ پاکستان کے مطابق سوچ کی تبدیلی......ایک خواب ہے۔

حضورِ رسالت _ 6 _ (I)

غمِ پنہاں کہ بے گُفتن عیان است
چو آید بر زباں یک داستان است
رہے پُر پیچ و راہی خستہ و زار
چراغش مُردہ و شب درمیان است

ترجمہ (میرا) چھپا ہوا غم بغیر کہے (تمام لوگوں پر) ظاہر ہے۔ جب زبان پر آتا ہے تو ایک داستان بن جاتا ہے۔ دشوار گزار راستے اور خستہ حال اور کمزور و ناتواں سفر کرنے والا گویا ابتدائے شب میں ہی چراغ بجھ گیا ہو اور رات منزل تک پہنچے کے لیے ابھی درمیان میں ہے۔

تشریح علامہ اقبال کے سینے میں عشق مصطفیٰ ﷺ کے نتیجے میں ایک ہیجان اور طوفان کی کیفیت ہے۔ معروف حدیث کی روایت ہے کہ امت کے احوال آپ ﷺ کو پیش کیے جاتے ہیں۔ احوالِ امت کے اس اطلاعاتی عمل میں امت مسلمہ کے اجتماعی احوال ہی قرین قیاس ہیں (آپ ﷺ کو مسلمانوں کے انفرادی احوال از قسم فلاں مسلمان کے ہاں بچہ پیدا ہوگیا ہے، فلاں کے ہاں بچی پیدا ہوئی، فلاں کے بیٹے کی شادی ہوگئی، فلاں کو ملازمت جیسے احوال کم از کم علامہ اقبال کی اس نظم کے تناظر سے خارج ہیں)۔

امت مسلمہ کی دو صدیوں کی غلامی اور ملکاً جبراً کی کیفیت کی چیرہ دستیاں ناقابلِ بیان ہیں اور ان چیرہ دستیوں کے امت پر اثرات کا اثر شاعر کے کلام سے زیادہ اس کے سراپا (BODY LANGUAGE) سے ظاہر ہے۔ اظہارِ مدعا کے بغیر ہی مدعا عیاں ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ میں بیان کرنے لگوں تو یہ بیان ایک لمبی داستان بن جائے گی۔ منحوس مغربی صیہونی استعمار کی طویل مدتی منصوبہ بندی سے نکلنے کے لیے امت مسلمہ نہ ذہناً تیار ہے نہ اسباب ہیں۔ راستہ پُر پیچ، اُمت خستہ حال اور تہی دست ہے۔ رہنمائی کرنے والا چراغ مردہ (قیادت کا فقدان) ہے اور طویل سفر کی ایک بھیانک رات راستے میں حائل ہے۔ [علامہ اقبال کے نزدیک اُمت مسلمہ کے بالعموم اور جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے بالخصوص حالات ایک صدی سے ایسے ہی تھے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ علامہ اقبال جیسا قوم کو جگانے والا شاعر بھی آیا جس نے قوم کو جگایا، جذبہ پروان چڑھایا پھر پاکستان معرضِ وجود میں آ گیا مگر قوم میں ملک کو علامہ اقبال کے تصورات و نظریات (جو قرآن و حدیث سے ہی ماخوذ ہیں) کے مطابق ڈھالنے کے عزم کا شدید فقدان ہے گزشتہ ایک صدی ہمارے زوال کو اور گہرا بنا گئی ہے]۔

پاکستان نظریہ کی بنیاد پر وجود میں آیا، نظریہ مضبوط ہوگا تو ریاست مضبوط ہوگی اور نظریہ نظامِ تعلیم کے ذریعے مضبوط ہوگا: شجاع الدین شیخ

ہمارے ہاں ایک نظام تعلیم اور ایک نصاب کی بجائے آٹھ دس قسم کے نظام تعلیم چل رہے ہیں اس طرح ہم کیسے ایک قوم بن سکتے ہیں: میاں محمد اکرم

ایک جیسا نصاب بنانے کی بجائے ایک جیسا سلیبس بنایا گیا جو سب کے لیے قابل قبول نہیں ہوگا: یاسین خان

یکساں نصاب تعلیم اچھی کوشش ہے لیکن اس کے ثمرات حاصل کرنے کے لیے اساتذہ کی تربیت کی بھی مستقل ضرورت ہے: ڈاکٹر عطاء الرحمان عارف

یکساں نصاب تعلیم: رحمت یا زحمت؟ کے موضوع پر

حالات حاضرہ کے منفرد پروگرام ”زمانہ گواہ ہے“ میں معروف دانشوروں اور تجزیہ نگاروں کا اظہار خیال

میزبان: وسیم احمد

مرتب: محمد رفیق چودھری

سوال: حکومت کی طرف سے متعارف کردہ یکساں نصاب تعلیم کے بنیادی خدوخال کیا ہیں۔آپ اس کے مثبت اور منفی پہلو بھی بیان فرمائیے؟

یاسین خان: اس یکساں نصاب تعلیم کا یہ مقصد لیا گیا کہ یہ ایک ہی بک ہوگی جو ہر سکول میں پڑھائی جائے گی۔یہ بڑی حیران کن بات ہے۔اس پر پرائیویٹ تعلیمی اداروں نے یہ کہا ہے کہ یہ ممکن نہیں ہے۔مسئلہ جو ہم محسوس کر رہے ہیں وہ یہ ہے کہ بجائے اس کو کریکلم کی صورت میں لینے کے سلیبس کی صورت میں لے لیا گیا۔سلیبس اور کریکلم بالکل مختلف چیزیں ہیں۔سلیبائی کتابیں ہیں اور کریکلم براڈ سپکٹرم میں آپ ایک آؤٹ لائن دیتے ہیں جس کے اندر کریکلم (نصاب) بنایا جاتا ہے۔پوری دنیا میں صرف چند ممالک کے علاوہ ایک کتاب ہر جگہ نہیں پڑھائی جاتی۔کریکلم ایک ہوتا ہے بکس مختلف ہوتی ہیں۔

سوال: جب انہوں نے کہا کہ ایک بک پڑھنا ہوگی تو اس سے مراد کیا ہے کہ دینی مدارس، پرائیویٹ سکول اور سرکاری سکول میں ایک جیسی کتب پڑھائی جائیں گی؟

یاسین خان: اصل بات یہ ہے کہ کیا سارے سکولز اس کو قبول کریں گے۔وہ ادارے جو بہت زیادہ فیسیں لے رہے ہیں، مثلاً ایچی سن ہے، ڈی پی ایس ہے اور دیگر پرائیویٹ سکولز ہیں اُن کی طرف سے اس کو قبول نہ کرنے کا آغاز ہو چکا ہے۔بنیادی خرابی یہی ہے کہ اس کو کریکلم کے طور پر لینے کی بجائے سلیبس کے طور پر، ایک کتاب کے طور پر لے لیا گیا۔حالانکہ اس میں بہت اچھی چیزیں ہیں۔لیکن سوال یہ ہے کہ کیا ہمارے پاس وہ اساتذہ موجود ہیں جو اس کو پڑھا سکیں۔بڑے شہروں کی حد تک تو شاید جن اساتذہ نے ورکشاپس وغیرہ اٹنڈ کی ہوں گی وہ اس کو پڑھا سکیں گے لیکن ہر جگہ تو ایسے اساتذہ موجود نہیں ہیں کیونکہ اس نصاب کو پڑھانے کے لیے مستقل ٹریننگ کی ضرورت ہے۔ایسا نہیں ہے کہ ایک دفعہ آپ ٹریننگ کرادیں گے اور پھر مستقل سسٹم چل جائے گا بلکہ ماہانہ کی بنیاد پر ٹریننگ کرائیں گے تب یہ نصاب پڑھایا جا سکے گا۔اس لیے اس کو کریکلم کے مطابق لینا چاہیے اور اس کے مطابق سب کو پابند کرنا چاہیے یعنی جو بھی کتاب بنائے وہ اس کریکلم کے مطابق بنائے اور جو چیزیں اس میں منفی ہیں وہ ختم کرنی چاہئیں۔جو observations آپ نے اس کے اوپر لگائی ہیں وہ بہت اچھی ہیں، ہم اس کو appreciate کرتے ہیں لیکن جس وقت تک آپ سکول کے اساتذہ کو اس قابل نہیں بناتے ،آپ کیسے ان کے سامنے اتنی مشکل کتاب رکھ دیں گے کہ وہ اس کو پڑھائیں۔پرائیویٹ سیکٹر کے پاس تو نظام ہے، وسائل ہیں حالانکہ یہ وسائل گورنمنٹ کے پاس زیادہ ہونے چاہئیں۔

سوال: دیگر ممالک میں جی ڈی پی میں تعلیمی سیکٹر کے لیے چار فیصد بجٹ رکھا جاتا ہے۔آخر پاکستان میں شعبہ تعلیم کے لیے اتنی کم رقم مختص کیوں کی جاتی ہے؟

یاسین خان: ہمارے ہاں تعلیمی وعدے تو بہت کیے جاتے ہیں کہ ہم تعلیم دیں گے لیکن عملی طور پر ایسا کچھ نہیں۔حالانکہ ہم ٹیکس دے رہے ہیں۔بڑے سے بڑے بزنس مین سے لے کر سب سے زیادہ غریب بھی ٹیکس دیتا ہے۔اس کی ترجیح اوّل یہ ہوتی ہے کہ اس کا بچہ اچھی تعلیم حاصل کرے لیکن ملکی سطح پر تعلیم ترجیح اوّل نہیں ہے اس لیے ہر ایک کا بچہ اچھی تعلیم حاصل نہیں کر سکتا۔

سوال: یاسین خان نے یکساں نصاب تعلیم کے مثبت اور منفی پہلو بتائے۔منفی پہلوؤں سے مراد یہ ہے کہ ایسے کام جو فی الحال ممکن نہیں لگ رہے۔ان کی تفصیل بتائی۔ان کی رائے اس حوالے سے بڑی اہم ہے کیونکہ یہ پورے پاکستان میں سات سو سے زیادہ سکولز چلا رہے ہیں دو لاکھ سے زیادہ بچے ان کے سکولوں میں پڑھ رہے ہیں۔آپ سے میں یکساں نصاب تعلیم کے حوالے سے رائے لینا چاہوں گا کہ اس کی تفصیل میں مثبت اور منفی پہلو کون سے ہیں؟

میاں محمد اکرم: جی ڈی پی کا کم از کم چار فیصد تعلیم پر خرچ ایک معیار ہے۔ایک زمانے میں ہمارے ایک وزیر تعلیم نے اعلان کیا کہ ہم اس کو سات فیصد تک لے کے جائیں گے لیکن ابھی تک ہم صرف 2.1 یا 2.2 فیصد سے ایک قدم آگے نہیں بڑھا سکے۔پچھلے سال 2020ء میں جی ڈی پی کا تقریباً 6-1.5 فیصد تعلیم پر خرچ ہوا۔یعنی وہ بجائے بڑھنے کے کم ہی ہوا ہے۔اس سے پتا چلتا ہے کہ ہم تعلیم کو کتنی اہمیت دے رہے ہیں۔دوسری بات یہ ہے کہ پاکستان میں نصاب تعلیم اور کریکلم وفاقی حکومت کا ذمہ ہوتا تھا اور تعلیم اور سکولوں کو چلانا صوبائی سطح کا معاملہ تھا۔اٹھارویں ترمیم ہوئی جس کے نتیجے میں کریکلم بھی صوبوں کو منتقل ہو گیا بلکہ اعلیٰ تعلیم کے شعبے بھی الگ

سے صوبوں میں بنا دیے گئے۔ حالانکہ پہلے HEC سارے معاملات کو لے کر چلتا تھا۔ اٹھارویں ترمیم کے جو نتائج سامنے آئے وہ ہمارے سامنے ہیں۔ ہم نے 2010ء سے ہی یہ بات اُٹھانا شروع کر دی تھی کہ مذکورہ ترمیم سے صوبائیت کو فروغ ملے گا اور ہم ایک قوم بننے کی بجائے مختلف ٹکڑوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔ پاکستان میں تنظیم الاساتذہ اور دیگر لوگوں نے بھی حکومت سے مسلسل مطالبہ کیا ہے کہ یکساں نظام تعلیم ہونا چاہیے۔ 2014ء میں ہم نے پاکستان میں یکساں نظام تعلیم کے حوالے سے ہزاروں کی تعداد میں پمفلٹ تقسیم کیے۔ 2018ء میں پی ٹی آئی کی حکومت قائم ہوئی۔ اس نے اس مطالبے میں سے ایک نکتہ کو اپنا لیا اور وہ تھا یکساں نصاب تعلیم۔ حالانکہ قوم کا مطالبہ یہ تھا یکساں نظام تعلیم ہو۔ یعنی نصاب، ذریعہ تعلیم، سہولیات تعلیم سب کچھ یکساں ہو۔

سوال: عام آدمی یکساں نظام تعلیم کا مطلب یہ لیتا ہے کہ اس بچہ بھی وہی کچھ پڑھے جو ایچی سن، بیکن ہاؤس اور ایل جی ایس میں پڑھایا جاتا ہے۔ وہی نصاب مدارس میں بھی پڑھایا جائے تاکہ سب کا معیار اور سٹیٹس ایک جیسا ہو۔ کیا ایسا ممکن ہے؟

میاں محمد اکرم: پاکستان کے اندر یہی پرابلم ہے کہ ہمارے ہاں ایک نظام تعلیم اور ایک نصاب کی بجائے درجن بھر نظام تعلیم چل رہے ہیں، مدارس کے الگ، ایچی سن کے الگ، سرکاری سکولوں کے الگ، دانش سکولوں کے الگ وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح سے تقسیم دیکھتے چلے جائیں۔ اب ہم ایک قوم کیسے بن سکتے ہیں۔ یکساں نصاب تعلیم کا مقصد یہ تھا کہ ایک قوم وجود میں آئے۔ جیسے برطانیہ میں یوسف اسلام مسلمان ہوئے تو انہوں نے وہاں مسلمان بچوں کے لیے علیحدہ سے سکول کھولنے کا پروگرام بنایا۔ اس کے لیے جب انہوں نے اجازت حاصل کرنی چاہی تو وزیر اعظم مارگریٹ تھیچر نے ان سے کہا کہ کیا آپ چاہتے ہیں ہم ٹکڑوں میں تقسیم ہو جائیں۔ دنیا تو اس قدر حساس ہے تعلیم کے معاملے میں اور دنیا کے اکثر ممالک نے اسی لیے یکساں کریکلم رکھا ہوا ہے۔ کتاب مختلف ہو سکتی ہے لیکن کریکلم سب کے لیے یکساں ہے۔ بہر حال موجودہ حکومت نے اچھا قدم اٹھایا ہے۔ اس کے لیے انہوں نے کافی کاوش کی ہے۔ میں اس چیز کا گواہ ہوں کہ انہوں نے مختلف شہروں میں، اضلاع میں جا کر سرکاری اور پرائیویٹ سیکٹر کے لوگوں کو اس پر راضی کرنے کی کوشش کی۔ سندھ کی طرف سے اس پر مسلسل اعتراض ہوتا رہا لیکن باقی تین صوبوں میں اس کوشش کے نتیجے میں رضامندی ظاہر ہوئی۔ بہر حال پلان یہ طے ہوا کہ 2020ء میں پہلی سے پانچویں تک کا نصاب بنایا جائے گا اور 2021ء میں اس کو نافذ کر دیا جائے گا۔ 2021ء میں چھٹی سے آٹھویں تک کا بنے گا اور 2022ء میں اس کو نافذ کر دیا جائے گا۔ اسی طرح 2022ء میں نویں دسویں کا بنے گا اور وہ 2023ء میں نافذ کر دیا جائے گا۔ اب پہلے فیز (پہلی سے پانچویں) کا آغاز ہو گیا ہے اور اس کی کتابیں چھپ کے آ گئی ہیں۔ لیکن یہ کتابیں

> اٹھارویں ترمیم میں نصاب اور اعلیٰ تعلیم کے شعبہ جات صوبوں کو منتقل کرنے سے صوبائیت کو فروغ ملا اور ہم ایک قوم بننے کی بجائے ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئے۔

زیادہ تر انگلش میں چھاپی گئی ہیں حالانکہ ہمارے وزیر اعظم صاحب کہتے ہیں کہ کوئی قوم اس وقت اچھے طریقے سے تعلیم حاصل کر سکتی ہے جب وہ اپنی قومی زبان میں یا مادری زبان میں تعلیم حاصل کرتی ہے۔ پرائمری لیول کے استاد کہہ رہے ہیں کہ یہ کتابیں نہ بچوں کو سمجھ آ رہی ہیں اور نہ استاد پڑھا سکتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ یہ کتابیں چھپ کے آ گئی ہیں اور سکولوں میں پہنچ چکی ہیں۔ دوسری طرف پرائیویٹ اداروں نے ان کا اردو میں ترجمہ چھاپ دیا ہے اور وہ پڑھا رہے ہیں اور والدین مارکیٹس سے اردو والی کتابیں خرید کر لے کر آتے ہیں اور بچے تو مزید مشکل میں آ گئے۔ بہر حال تعلیم کو ہم اتنا مشکل کر رہے ہیں کہ بچے سکول میں آتے ہی نہیں۔ پھر پرائیویٹ اداروں میں دوسرے نصاب بھی پڑھائے جا رہے ہیں۔ یہ نصاب چونکہ گورنمنٹ کا ہے اور اس میں سختی کی جا رہی ہے لہٰذا اس نصاب کی کتابیں پانچ سو میں خرید کر اور پھر دوسرے نصاب کی کتابیں آٹھ ہزار میں خرید کر پڑھ رہے ہیں۔ یعنی سکول والوں نے گورنمنٹ کی بات مان لی لیکن دوسری طرف والدین پر بوجھ زیادہ کر دیا۔ اس نصاب میں ایک مثبت پہلو یہ ہے کہ اس میں کلاس ون سے اسلامیات کو لازمی قرار دیا گیا ہے جو پہلے نہیں تھی۔ یہ بہت اچھا اقدام ہے اور اسلامیات کی کتاب میں بہت اچھا نصاب بنایا گیا ہے۔ بچوں کی تربیت کے لحاظ سے کلرفل انداز میں کلمہ سے شروع کر کے ماشاء اللہ، الحمدللہ اچھے انداز میں لکھ کر بچوں کو سکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس میں اسلام کو بطور نظام زندگی متعارف کرانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کتاب کے ٹائٹل پر اسلامی کلچر کو دکھایا گیا جس پر مغربی تہذیب کے دلدادہ لوگوں کو تکلیف ہو رہی ہے۔

سوال: ایک نظریاتی ریاست کے تعلیمی نصاب کا کور یعنی حقیقی جوہر کیا ہونا چاہیے؟

شجاع الدین شیخ: اگر ریاست نظریہ کی بنیاد پر وجود میں آتی ہے تو نظریہ مضبوط ہوگا تو ریاست بھی مضبوط ہوگی اور اگر نظریہ مضبوط نہ ہو تو ظاہر ہے ریاست مضبوط نہیں رہ سکتی۔ اسرائیل میں یہودی اپنے نظام تعلیم میں اپنے مذہب کی تبلیغ کرتے ہیں جبکہ دوسرے مذاہب کی مخالفت کرتے ہیں۔ چونکہ اسرائیل دھونس، دھمکی اور بدمعاشی کی بنیاد پر وجود میں آیا تو وہاں پر ہر شہری کو لازمی فوجی تربیت بھی دی جاتی ہے۔ اگر اس کو برقرار رکھیں تو اس کا برقرار رہنا سمجھ میں آتا ہے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ پاکستان کی ریاست مضبوط ہو تو نظریہ کی مضبوطی کے لیے نظام تعلیم اسلامی بنیاد پر بننا چاہیے۔ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ نظریہ کی بنیاد پر ہم نے ملک مضبوط نہیں کیا تو لسانیت کی بنیاد پر 1971ء میں ملک تقسیم ہوگا۔

سوال: کسی ملک کا نظام تعلیم کسی ملک یا قوم کی منزل ہوتی ہے یا ہم اسے منزل تک پہنچنے کی سیڑھی کہہ سکتے ہیں؟

شجاع الدین شیخ: منزل علیحدہ شے ہے اور منزل تک پہنچنے کے ذرائع بالکل علیحدہ شے ہیں۔ ہمارے ہاں جو نظام تعلیم ہے یہ کسی منزل تک پہنچنے کا ایک میکنزم ہے۔ اس میکنزم کو ہم کھو گئے تو لامحالہ ہماری منزل چھوٹی پڑ جائے گی۔

سوال: حکومت کی طرف سے متعارف کرائے گئے یکساں نصاب تعلیم کے فیصلے کو آپ کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

شجاع الدین شیخ: یکساں نظام تعلیم کے حوالے سے ماضی میں بھی کوششیں ہوتی رہی ہیں۔ لیکن اصل کام یکساں نظام تعلیم مرتب کرنا، اس کو نافذ کرنا اور پھر اس کو

گراس روٹ تک لے کر جانا ہوتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ نصاب گراس روٹ لیول تک نافذ ہو سکے گا۔ کیونکہ 74 برس کی تاریخ ہمارے سامنے ہے کہ نعرے اور دعوے بہت بلند کیے جاتے رہے لیکن جب معاملہ تنفیذ کا آتا ہے تو وہاں پر ہمیں کسل ہی دکھائی دیتا ہے۔ ویسے بھی اٹھارویں ترمیم کے بعد ہم نے تعلیم کو اتنا پیچیدہ مسئلہ بنا دیا ہے کہ اب ہر صوبہ اپنی مرضی کی تعلیمی پالیسی لے کر چل رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مجوزہ یکساں نصاب کو سندھ حکومت نے یکسر مسترد کر دیا ہے۔ اللہ کرے کہ اگر نیک نیتی ہو اور گراس روٹ لیول تک نفاذ ہو تو پھر بات کی جا سکتی ہے کہ اس کے کیا اثرات ہو سکتے ہیں۔

سوال: کیا یکساں نصاب تعلیم کے نفاذ سے ہمارے معاشرے میں پائے جانے والی طبقاتی تقسیم ختم ہو پائے گی؟

شجاع الدین شیخ: اس وقت ہمارے ملک میں تقریباً تیرہ قسم کے نظام ہائے تعلیم چل رہے ہیں۔ کہا جا رہا ہے کہ یہ تیرہ سسٹم چلتے رہیں گے لیکن یہ نیا نصاب بھی ضرور پڑھایا جائے گا۔ اس تناظر میں کیا کہ ہم قوم کو یکسانیت دے سکیں گے؟ رہا طبقاتی تقسیم کا خاتمہ تو اس کا تعلق صرف نصاب سے نہیں ہوتا بلکہ اس کا تعلق عادلانہ نظام سے ہوتا ہے، جہاں ظلم کا خاتمہ ہو۔ یہ جو تقسیم در تقسیم کا معاملہ چل رہا ہے جس کے نتیجے میں امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ ایک طرف وہ لوگ ہیں جن کے کتوں اور گھوڑوں کے لیے بڑے وسائل موجود ہیں جبکہ دوسری طرف عوام کا ایک طبقہ خودکشیاں کرنے پر مجبور ہے۔ یہ تقسیم صرف کتابیں چھاپ دینے سے ختم نہیں ہوگی۔ جب تک دین کا نظام عدل اجتماعی قائم نہیں کیا جائے گا یہ طبقاتی تقسیم ختم نہیں ہو سکتی۔

سوال: شعبہ تعلیم سے وابستہ ذمہ داران بشمول اساتذہ یکساں نصاب تعلیم کو نافذ کرنے میں ذہنی، فکری اور عملی طور پر تیار ہیں؟

یاسین خان: اس وقت صورتحال یہ ہے کہ انگلش اور اردو میڈیم یعنی دو طرح کے سکول موجود ہیں اور سچ یہ ہے کہ مارکیٹ میں کوئی بھی شخص اردو میڈیم سکول میں بچوں کو بھجوانا نہیں چاہتا لیکن اگر حکومت فیصلہ کرتی ہے کہ ہم تمام اداروں میں اُردو میڈیم نصاب لے کر آئیں گے تو اس میں کسی کو بھی کوئی پریشانی نہیں ہونی چاہیے۔ لیکن اس میں اصل کردار اُستاد کا ہوگا۔ استاد چاہے تو کتاب کو ردی بنا دے اور چاہے تو ردی کتاب کو آسمان پر پہنچا دے۔ بنیادی کردار خود حکومت کا ہو سکتا ہے، حکومت چاہے تو اس حوالے سے ساری مشکلات حل ہو سکتی ہیں۔ حکومت اگر سختی کی پالیسی رکھے گی تو شعبہ تعلیم کے ذمہ داران بھی اس پالیسی کا ساتھ دیں گے۔ لیکن تعلیم حکومت کی ترجیحات میں شامل نہیں ہے۔ انسان کماتا ہے اپنی اولاد کی تعلیم پر خرچ کرتا ہے، حکومت کماتی ہے تو کس پر خرچ کرتی ہے؟ ہمارے ہاں ہر حکومت نے تعلیم کے ساتھ سوتیلا سلوک کیا ہے۔ اصولی بات یہ ہے کہ تعلیم پرائیویٹ نہیں ہونی چاہیے۔ ترقی یافتہ ممالک میں شہروں میں سب سے خوبصورت بلڈنگ سکول کی ہوتی ہے لیکن ہمارے سرکاری سکولوں کا عالم یہ ہے کہ وہ بھوت بنگلے ہیں جن کو پینٹ کرانا، ان کی حالت کو درست کرنا حکومت سے نہیں ہو پاتا۔ لہٰذا حکومت تعلیم کو صرف زبان کی حد تک ترجیح نہ بنائے بلکہ عملی طور پر کچھ کر کے دکھائے۔ کہا جاتا ہے کہ ہمارے بچے سکالر شپ کے لیے مقابلہ نہیں کرتے۔ ہر سال ہزاروں کی تعداد میں سکالر شپ ضائع ہو جاتے ہیں۔ ہمارے محکمہ تعلیم اور خارجہ امور کے لوگ اس حوالے سے آگاہی پیدا ہی نہیں کر پاتے۔ لوگوں کو پتا ہی نہیں لگتا۔ چین پاکستان کو ہزاروں سکالر شپ دے رہا ہے۔ بچے اپنی مدد آپ کے تحت محنت کر کے سکالر شپ حاصل کرتے ہیں۔ حالانکہ اس کے لیے ہمیں ایک ادارہ بنانا چاہیے۔

سوال: یکساں نصاب تعلیم کا جو سلیبس متعارف کروایا گیا ہے کیا یہ بچوں کی اسلامی معاشرت کے حوالے سے آگاہی کے لیے کافی ہوگا اور کیا یہ پچھلی حکومتوں کی نسبت کچھ بہتر قدم ہے؟

عطاء الرحمان عارف: جو کتابیں اب تک سامنے آئی ہیں (پہلی سے پانچویں تک) ان میں کافی بہتری نظر آئی ہے۔ لیکن اصل ٹارگٹ ہے چھٹی سے آٹھویں تک کا جہاں ہم نے ناظرہ بھی پڑھانا ہے اور بچوں کو قرآن مجید کے بنیادی نصاب سے گزارنا بھی ہے۔ یہ یقینی طور پر پچھلے ادوار کی نسبت بہتری کا عنصر ہے۔ پھر اس نصاب میں قائداعظم اور علامہ اقبال کے تصورات کو بھی جگہ دی گئی ہے۔ اسی طرح قومی پالیسیوں کے حوالے سے بھی بچوں کی تعلیم و تربیت کی جائے گی۔ بہر حال حکومت نے کوشش کی ہے کہ قرآن مجید کی تعلیم بہتر انداز میں دی جائے، بالخصوص تجوید کا ذکر بار بار آ رہا ہے جس کا مطلب ہے کہ حکومت اس کو نافذ کرنا چاہتی ہے۔ البتہ اساتذہ کی تربیت کے حوالے سے کمی محسوس ہو رہی ہے۔ اس پر ہمیں مستقلاً کام کرنے کی ضرورت ہے۔ پرائیویٹ یونیورسٹیز اور کالجز میں اساتذہ کی ورکشاپس ہوتی ہیں۔ پھر ہمارے ہاں ریسرچ کی بھی کمی ہے۔ لہٰذا ایسا نہیں ہے کہ آج ہم نے نصاب نافذ کیا اور اگلے سال سے ہمیں نتائج ملنا شروع ہو جائیں گے بلکہ یہ نتائج ہمیں آج سے بیس سال بعد ملیں گے۔

میاں محمد اکرم: جیسے ہی یہ نصاب بننا شروع ہوا تو ہمارے سیکولر طبقات نے اقلیتوں کے کچھ لوگوں کو ورغلا کر ساتھ ملایا اور اسلام آباد میں جا کر ڈیرے لگا دیے۔ انہوں نے پورا زور لگایا کہ اس نصاب میں سے اسلام کو کھرچ کھرچ کر نکال دیں۔ یعنی بنیاد ہی نہ بننے دیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ ان کی وہ کاوش اس لیول پر کامیاب نہیں ہوئی۔ یہ وہ شرپسند عناصر ہیں جو نظریۂ پاکستان اور دینِ اسلام کے خلاف اپنی سازشوں میں مصروف ہیں اور یہ کام وہ قیام پاکستان کے بعد سے کر رہے ہیں۔ ان کے حوالے سے حکومت کو سخت رویہ رکھنا چاہیے اور آئندہ نصاب کی جو کتب مرتب ہوں اُن میں ان کی سازشوں کو کامیاب نہ ہونے دیا جائے۔ اس حوالے سے قوم کوئی لغزش برداشت نہیں کرے گی۔ دینی طبقات پہلے سے اس حوالے سے آگاہ ہیں اور اس معاملے پر نظر بھی رکھے ہوئے ہیں۔ بہر حال انگلش کی کتاب میں پہلا سبق حضرت محمد ﷺ کے عنوان پر مشتمل ہے اور پھر جہاں بھی حضرت محمد ﷺ لکھا ہوا ہے وہاں ساتھ خاتم النبیین بھی لکھا ہوا ہے۔ یہ وہ مثبت پہلو ہیں جن کو ہم appreciate کرتے ہیں۔ لیکن اگر حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہم نے سیرت النبی ﷺ، قرآن مجید، ناظرہ، اسلامیات پڑھانی ہے تو بہت اچھے طریقے سے پڑھائے اور اس کی مانیٹرنگ اور ایسسمنٹ ہونی چاہیے تاکہ نسل نو کے اندر ہم دین کا شعور اجاگر کر سکیں۔

سوال: کیا موجودہ نصاب تعلیم کے ذریعے تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ اور آکسفورڈ اور کیمرج کے تعلیم یافتہ افراد کے درمیان تفریق ختم ہو سکے گی؟

میاں محمد اکرم: ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم نے قوم کے بچوں کو تقسیم کر دیا ہے۔ ہمارے وہ بچے جو او لیول، اے لیول کر رہے ہیں ان کی فیس کی مد میں ہمارے تقریباً 10 ارب روپے برطانیہ کو جا رہے ہیں۔ وہی پیسہ اگر ہم اپنے نظام تعلیم پر خرچ کریں، سکولوں کی حالت اور بورڈز کو بہتر بنائیں، نصاب، امتحانات کا طریقہ درست کریں تو ہم یکسانیت پیدا کر سکتے ہیں۔ ظاہر ہے ذریعہ تعلیم، سہولیات اور نظام یکساں ہوں گے تو تب ہی آپ قوم کو یکجا کر سکتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ نظام امتحان وہی ہونا چاہیے جو پورے ملک میں رائج ہے، کسی کو باہر سے امتحان دلوانے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔ اس کے ذریعے ہم تفریق کو کم کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

سوال: اگر ہم ایک ہی نظام امتحان رکھیں گے تو ہمارے بچے باہر کی یونیورسٹیز میں کیسے داخلے حاصل کریں گے، وہاں کیسے مقابلہ کر سکیں گے؟

میاں محمد اکرم: دس سال پہلے تک کیفیت یہ تھی کہ ہمارے جتنے ڈاکٹرز، انجینئرز، بیوروکریٹ وغیرہ ہوتے تھے، وہ اکثر سرکاری اداروں سے پڑھے ہوئے ہوتے تھے اور یہ لوگ پاکستان کے نظام امتحان سے گزرے، نصاب تعلیم سے گزرے، چھٹی جماعت سے انہوں نے انگریزی پڑھنی شروع کی لیکن وہ دنیا میں بہترین انگریزی بولنے والے ہیں۔ دنیا میں کسی بھی ملک میں آپ دیکھ لیں ہمارے ان اداروں سے پڑھے ہوئے بچوں نے پوری دنیا میں compete کیا۔ ایک زمانے میں ناسا کا نائب چیئرمین پاکستانی تھا۔ اسی طرح فزکس اور کیمسٹری میں ابتدائی کام مسلمانوں نے کیا ہے جس کی وجہ سے آج سائنسی علوم اس لیول پر ہیں۔ اسی طرح الجبرا، جغرافیہ میں مسلمانوں کی خدمات ہیں۔ کیا نصاب میں ان کا تذکرہ نہیں ہونا چاہیے۔ کیا ہم اپنی قوم کو motivation نہ دیں کہ تمہارے آباء نے یہ کام کیا تھا اب تمہیں بھی یہ کام کرنا چاہیے؟

سوال: ہمارے ہاں لاکھوں بچے دینی مدارس میں پڑھتے ہیں۔ روشن خیال ذہن رکھنے والے جنرل پرویز مشرف بھی مانتے تھے کہ دینی مدارس دنیا کی سب سے بڑی این جی اوز ہیں۔ آپ بتائیے کہ دینی مدارس میں سرکاری اور پرائیویٹ سکولوں جیسی سہولتیں دیے بغیر یکساں نصاب تعلیم مطلوبہ نتائج دے سکے گا؟

یاسین خان: یہ اس وقت تک بالکل ممکن نہیں ہے جب تک وہاں پڑھانے والے اساتذہ کی باقاعدہ ٹریننگ نہ ہو۔ اس کے لیے سکول کے لیول کا ایک ٹریننگ سسٹم ہونا چاہیے۔ سب سے پہلے اس حوالے سے لوگوں میں جذبہ پیدا کرنے کی ضرورت ہے جس کا ہمارے ہاں بڑا فقدان ہے۔ استاد کی اصل کمائی وہی ہے جو وہ ملک و قوم کے لیے ایک نظریاتی اور تربیت یافتہ نسل تیار کرتا ہے۔ سب سے بڑی کمی اس وقت اس جذبہ کی ہے کہ استاد ہر بچہ کو اس لحاظ سے تیار کرے کہ یہ دنیا میں بھی میرا نام بنائے گا اور آخرت میں بھی میرا نام بنائے گا۔ جب تک ہم نظام تعلیم کو اس انداز سے مضبوط نہیں کریں گے محض نصاب کچھ نہیں کر سکے گا۔ کتابیں کچھ نہیں کر سکیں گی۔ اگر حکومت چاہے گی تو ہم ٹریننگ کے حوالے سے ضرور مدد کریں گے۔ ہم ماسٹر ٹرینرز کو تیار کریں گے۔ ہم نے پیف کے تحت 33 سکول لیے ہیں اور ایک سال میں ہم نے ان میں ڈبل داخلے کیے۔

سوال: حکومت وقت دعویٰ کر رہی ہے کہ انہوں نے یکساں نصاب تعلیم متعارف کروایا اس سے پورے پاکستان میں ایک تعلیمی انقلاب آجائے گا کیا آپ اس رائے سے اتفاق کرتے ہیں؟

عطاء الرحمان عارف: میں اس رائے سے سو فیصد اتفاق نہیں کرتا۔ کیونکہ ایسا نہیں ہے کہ بہت بڑا معجزہ یا انقلاب آجائے گا کہ طلبہ کی تخلیقی صلاحیتیں پروان چڑھ جائیں گی۔ یہ اتنا آسان نہیں ہے۔ البتہ اس میں وقت لگے گا۔ ماہرین تعلیم اور اساتذہ زیادہ مخالفت اس پر کر رہے تھے کہ ریاضی اور سائنس کو انگریزی میں کیوں رکھا گیا، ہمیں اپنی قومی زبان کو بھی پروان چڑھانا ہوگا۔ حکومت نے تین سو لوگوں کو ٹریننگ فار ٹرینرز کے لیے سلیکٹ کیا ہے اور ان کی ٹریننگ آن لائن ہو رہی ہے۔ جس کے وہ اثرات مرتب نہیں ہوں گے جو براہ راست کلاس روم میں بیٹھ کر ہوتے ہیں۔ میں ایک ادارہ کی مثال دیتا ہوں جس میں ہفتے میں دو دن ٹریننگ ہوتی ہے، ایک دن اساتذہ کی اور ایک دن والدین کی۔ اس طرح کی چیزیں اپنائی جائیں گی تو فائدہ ہوگا لیکن اس میں وقت لگے گا پھر نتائج آئیں گے۔

قارئین پروگرام ''زمانہ گواہ ہے'' کی ویڈیو تنظیم اسلامی کی ویب سائیٹ www.tanzeem.org پر دیکھی جا سکتی ہے۔

ضرورت رشتہ

☆ آزاد کشمیر کی اعوان فیملی سے تعلق رکھنے والی بچی، عمر 28 سال، تعلیم الیکٹریکل انجینئر کے لیے دینی مزاج کے حامل تعلیم یافتہ، برسر روزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔ برائے رابطہ: 0300-7879787

☆ کراچی کی رہائشی بیوہ جن کی عمر 45 سال، اردو اسپیکنگ صدیقی خاندان، تعلیم بی کام، دینی مزاج، تنظیم اسلامی سے تعلق (دو بچے ایک بیٹا اور ایک بیٹی، بیٹی کی عمر سولہ سال اور بیٹے کی عمر پندرہ سال) دینی مزاج پچاس سال تک کا رشتہ درکار ہے۔ رفیق تنظیم کو ترجیح دی جائے گی۔

برائے رابطہ: 0333-0215845

☆ لاہور میں رہائش پذیر شیخ فیملی کو اپنے بیٹے، عمر 35 سال، ذاتی کاروبار، کو نکاح ثانی کے لیے (پہلی بیوی موجود، اولاد نہیں) دیندار، صوم وصلوٰۃ اور شرعی پردہ کی پابند لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 0322-4492929

☆ لاہور میں رہائش پذیر وٹو فیملی کو اپنی بیٹی، عمر 26 سال، تعلیم ایم ایس ٹاؤن پلاننگ، صوم وصلوٰۃ کی پابند کے لیے لاہور سے دینی مزاج کے حامل، تعلیم یافتہ، برسر روزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 0303-4072856

☆ رفیق تنظیم کی بیٹی، عمر 27 سال (خلع یافتہ) تعلیم ایم بی اے، ایم اے اکنامکس، صوم وصلوٰۃ اور پردے کی پابند کے لیے دینی مزاج کے حامل، برسر روزگار ہم پلہ لڑکے کا رشتہ درکار ہے لاہور کے رہائشی قابل ترجیح۔

برائے رابطہ: 0322-4687553

☆ لاہور کی رہائشی جٹ فیملی کو اپنی بیٹی، عمر 29 سال، تعلیم ایم فل اکنامکس، قد "5'.1"، پردہ اور صوم وصلوٰۃ کی پابند کے لیے، لاہور سے دینی مزاج کے حامل، تعلیم یافتہ، برسر روزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 0345-4444556

حضرت خولہ رضی اللہ عنہا بنت قیس

فرید اللہ مروت

حضرت خولہؓ حضور ﷺ کی چچی اور آپؐ کے پیارے چچا حضرت حمزہؓ کی بیوی تھیں۔

حسب نسب:

محمد بن سعد البصری نے طبقات ابن سعد میں حضرت خولہؓ بنتِ قیس کا شجرۂ نسب یوں بیان کیا ہے: حضرت خولہؓ بنتِ قیس بن فہد بن قیس بن ثعلبہ بن عبید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن نجار۔ انہیں خویلہ اور اُمّ محمد بھی کہتے ہیں۔ والدہ کا نام، فریعہ بنتِ زراوہ ہے۔ آپؓ مدینہ منورہ کی رہنے والی تھیں اور خزرج کے خاندان بنونجار سے تعلق تھا۔

پہلی شادی:

زمانۂ جاہلیت میں حضرت خولہؓ کا پہلا نکاح حضور ﷺ کے چچا حمزہؓ سے ہوا۔ حضرت خولہؓ کے بطن سے ایک صاحبزادہ عمارہ پیدا ہوا۔ عمارہ لاولد فوت ہوئے۔ اس طرح ان سے حضرت حمزہؓ کی نسل نہیں چلی۔

دوسری شادی:

حضرت حمزہؓ کی شہادت کے بعد دوسرا نکاح، حضرت حنظلہؓ بن نعمان سے ہوا، جن سے ایک بیٹا محمد پیدا ہوا۔ (طبقات ابنِ سعد 8/474)

قبولِ اسلام:

نبوت کے چھٹے سال حضرت حمزہؓ نے اسلام قبول کیا، تو اہلیہ حضرت خولہؓ بھی اُن کے ساتھ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئیں اور نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ ان کے قبولِ اسلام سے پہلے مسلمانوں کا حلقہ چند کمزور افراد اور غلاموں تک محدود تھا۔ تاہم، حضرت حمزہؓ کے اسلام لانے کے بعد کفار کی ایذا رسانیوں میں کچھ کمی آئی، کیوں کہ اب حضرت حمزہؓ جیسے جری و بہادر جنگ جو مسلمانوں کے ساتھ تھے۔ اگلے دن سیّدنا عمر فاروقؓ بھی مشرف بہ اسلام ہوئے اور مسلمانوں نے پہلی مرتبہ آنحضرت ﷺ کی اقتدا میں خانہ کعبہ میں نماز ادا کی۔

ہجرت مدینہ اور حضرت حمزہؓ کی شہادت:

دونوں میاں بیوی بعثت کے تیرہویں سال آنحضرت ﷺ کے حکم سے مدینہ منورہ ہجرت کر گئے اور پھر جہاد و قتال فی سبیل اللہ کا شرف حاصل کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن حارثہؓ کو حضرت حمزہؓ کا اسلامی بھائی قرار دیا، چنانچہ ان دونوں خاندانوں میں مثالی محبت تھی۔ حضرت حمزہؓ نے غزوۂ بدر میں آنحضرت ﷺ کے حکم پر پہلے ہی حملے میں مشرک سردار، عتبہ بن ربیعہ کو واصلِ جہنم کیا۔ اُنھوں نے اس جنگ میں مشرکین کے کئی اور سورماؤں کو بھی ٹھکانے لگایا، جب کہ حضرت خولہؓ دیگر صحابیاتؓ کے ساتھ میدانِ جنگ میں مجاہدین کو پانی پلانے اور مرہم پٹی کے فرائض انجام دیتی رہیں۔ حضرت حمزہؓ غزوۂ اُحد میں بھی نہایت بے جگری سے لڑ رہے تھے کہ اچانک وحشی نے پیچھے سے نیزے کا وار کر کے آپؓ کو شہید کر دیا۔

حضرت خولہؓ کے مناقب

حضرت خولہؓ مال دار، وسیع القلب، سخی و فیاض، رحم دل، غریبوں اور مسکینوں کی سرپرست، محبت و شفقت کا خزینہ، مہمان نوازی اور حُسنِ اخلاق میں اپنی مثال آپ تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے خوب نوازا تھا۔ مدینے کے مضافات میں اعلیٰ درجے کی کھجوروں کے کئی باغات کی مالک تھیں۔ آنحضرت ﷺ سے بہت محبت کرتی تھیں، تو حضور ﷺ بھی اپنی چچی کا بے حد اکرام کرتے تھے۔ وہ آنحضرت ﷺ اور صحابۂ کرامؓ کی خدمت کر کے خوشی محسوس کرتیں۔

ہجرت کے ابتدائی دنوں کی بات ہے۔ ایک صبح اللہ کے رسول ﷺ مسجد نبویؐ میں اپنے رفقاء کے ساتھ نوزائیدہ ریاست کے مسائل پر گفت و شنید میں مصروف تھے۔ چھپے دشمنوں کی منافقت، یہودیوں کی سازشیں، کفارِ مکّہ کی دھمکیوں جیسے مسائل موضوعِ گفتگو تھے کہ اچانک ایک بدو بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوا اور آنحضرت ﷺ سے سخت لہجے میں مخاطب ہوتے ہوئے اپنے قرض کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ یہودیوں کے قبیلے، بنی ساعدہ کے اس بدّو کے ترش روی پر صحابۂ کرامؓ بھی مشتعل ہو گئے اور اُنہوں نے اُسے ڈانٹتے ہوئے کہا ''اے جاہل شخص! کیا تُو جانتا ہے کہ کس مقدس شخصیت سے ہم کلام ہے؟'' وہ بولا ''ہاں جانتا ہوں۔ مَیں مدینے کے حاکم، حضرت محمد ﷺ سے مخاطب ہوں۔'' ''پھر تُو نے گفتگو میں ادب و احترام کا خیال کیوں نہ رکھا؟'' اِس سوال پر وہ بولا ''مَیں کوئی ناجائز مطالبہ تو نہیں کر رہا۔ اپنا وہ قرض مانگ رہا ہوں، جو مَیں نے دیا تھا اور کیا اپنے حق کی واپسی کا مطالبہ کوئی ناجائز بات ہے؟'' حضور ﷺ کی جانب سے بدّو کی حمایت۔ اللہ کے رسول ﷺ خاموشی سے یہ منظر ملاحظہ فرما رہے تھے۔ جب آپ ﷺ نے دیکھا کہ صحابۂ کرامؓ کی ڈانٹ ڈپٹ بڑھتی جا رہی ہے، تو آپ ﷺ نے بدّو کی حمایت کرتے ہوئے فرمایا ''تم لوگ کیوں ڈانٹ ڈپٹ کر رہے ہو؟ اِسے اپنی چیز واپس مانگنے کا پورا اختیار ہے اور یہ اپنے اِس مطالبے میں حق بجانب ہے، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ تم لوگ اِس کے حق کی حمایت کرتے اور ہم اِس کے قرض کی واپسی کا بندوبست کرتے۔'' پھر آپ ﷺ نے اُس شخص سے فرمایا ''تم فکر نہ کرو، تمہارا قرض ہم پر واجب الادا ہے۔'' بدّو نے کہا ''مگر مجھے تو اپنا قرض آج ہی واپس چاہیے۔'' اِس پر انصار سے تعلق رکھنے والے صحابۂ کرامؓ نے کہا ''ہم تمہارا قرض چکانے کے لیے تیار ہیں، تم ہمارے ساتھ چلو'' چونکہ یہ قرض کھجور کی شکل میں تھا، اِس لیے وہ شخص صحابۂ کرامؓ کے ساتھ جاتے ہوئے بولا ''اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر کھجور اعلیٰ اور معیاری ہوئیں، تو مَیں لے لوں گا، ورنہ پھر آپ ﷺ کے پاس واپس آ جاؤں گا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا ''ہاں، ٹھیک ہے۔'' اُس نے صحابۂ کرامؓ کے ساتھ جا کر کھجوریں دیکھیں، لیکن وہ اُن کے معیار سے مطمئن نہ ہوا۔ بدّو نے کھجوریں لینے سے انکار کیا، تو صحابۂ کرامؓ نے اُس سے پوچھا ''اب کیا کرو گے؟'' وہ بولا ''مَیں واپس حضور ﷺ کے پاس جاؤں گا۔ اِس لیے کہ مجھے یقین ہے کہ اُن سے بڑھ کر کوئی حق پسند نہیں اور وہی مجھے انصاف دلائیں گے۔'' وہ دوبارہ آنحضرت ﷺ

کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا: ''اللہ کے نبی ﷺ! آپؐ کے صحابہ ؓ نے جو کھجوریں دِکھائیں، وہ معیار میں میری کھجوروں سے کم تر ہیں۔ اب میں دوبارہ آپ ﷺ کے پاس اِس لیے آیا ہوں کہ مجھے یقین ہے کہ مجھے انصاف صرف اور صرف آپ ﷺ ہی کے پاس سے ملے گا۔'' آپ ﷺ یہ بات سُن کر آب دیدہ ہو گئے اور فرمایا'' ہاں، یہ اعرابی سچ کہتا ہے کہ میَں دنیا میں انصاف کرنے کے لیے آیا ہوں۔'' اللہ کے رسول ﷺ نہ صرف عدل کرنے والے تھے، بلکہ عدل وانصاف کے پیکر تھے۔

حضرت خولہ ؓ کو حضور ﷺ کا پیغام:

آپ ﷺ نے اپنی حقیقی چچی، حضرت خولہ ؓ بنتِ قیس کو پیغام بھجوایا کہ ''چچی جان! اگر آپ کے پاس کھجوریں ہوں، تو ہمیں دے دیجیے تاکہ اس شخص کا قرض اُتارا جا سکے۔ جب ہمارے پاس کھجوریں آ جائیں گی، تو ہم آپ کو واپس کر دیں گے۔'' حضرت خولہؓ کو حضور ﷺ کا پیغام ملا، تو خوشی سے نہال ہوگئیں۔ پیغام لانے والے سے بولیں، ''میرے ماں باپ اللہ کے نبی ﷺ پر قربان! آپ ﷺ سے کہنا، جس قدر کھجوریں چاہئیں، لے لیں۔'' آپ ﷺ نے بدّو کو حضرت خولہ ؓ کے گھر بھیجتے ہوئے فرمایا'' جاؤ اور اگر وہ تمہارے معیار کی ہوں، تو اپنے قرض کے عوض لے لو۔'' وہ حضرت خولہ ؓ کے پاس آیا اور جب کھجوریں دیکھیں، تو بہت خوش ہوا، کیوں کہ وہ اُس کی کھجوروں سے بھی بہتر تھیں۔ حضرت خولہ ؓ بنتِ قیس روایت کرتی ہیں کہ ''آنحضرت ﷺ نے قبیلہ بن ساعدہ کے کسی شخص سے ساٹھ صاع یعنی پانچ مَن، دس سیر کھجوریں بطور قرض لی تھیں، جو آنحضرت ﷺ کے حکم پر میَں نے اُسے ادا کر دیں۔'' حضرت خولہ ؓ کا شمار مدینے کے مال دار افراد میں ہوتا تھا، اُن کے شہر کے مضافات میں کھجوروں کے کئی باغات تھے۔ نئی ریاست میں وسائل کی کمی کو پورا کرنے کے لیے انصارِ مدینہ بھرپور تعاون کیا کرتے تھے، مگر پھر بھی نبی کریم ﷺ کو ہجرت کے ابتدائی دنوں میں اُمورِ مملکت چلانے اور دیگر ضروریات کے تحت قرض لینا پڑتا تھا۔ اصحابِ صفہ کی بہت بڑی تعداد کے طعام وقیام کی تمام تر ذمّے داری آپ ﷺ ہی کے کندھوں پر تھی۔ نیز، بیرونی خطرات، خصوصاً کفّارِ مکہ اور یہودیوں سے ریاستِ مدینہ کے تحفظ کے لیے سرحدوں پر کُل وقتی مسلّح نوجوان گشت پر رہتے۔ حضور ﷺ عموماً یہودیوں سے قرض لیا کرتے، لیکن کبھی صاحبِ حیثیت عرب اور بدّو قبائل سے بھی قرض لے لیتے۔ یہ تمام تر قرض نئی ریاست کی بنیادی ضروریات پوری کرنے کے لیے لیا جاتا، کیوں کہ ابتدائی دَور میں وسائل نہ ہونے کے برابر تھے۔ مدینے کا سب سے افضل گھرانا حضرت خولہؓ بنتِ قیس آپ ﷺ کے محبوب چچا، حضرت حمزہؓ کی اہلیہ تھیں۔ اُن کا تعلق مدینے کے قبیلے، بنو خزرج کی ایک نہایت معزّز شاخ، بنو نجار سے تھا۔ آنحضرت ﷺ کی والدہ بی بی آمنہؓ اور حضور ﷺ کے دادا جناب عبدالمطلب کی والدہ، سلمٰی کا تعلق بھی اِسی قبیلے سے تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ صحابہ کرام ؓ سے فرمایا'' کیا تمہیں معلوم ہے کہ مدینے میں کون سا گھرانا سب سے افضل ہے؟'' صحابہ کرام ؓ خاموش رہے۔ اِس پر آپ ﷺ نے فرمایا: '' قبیلہ بنو خزرج میں بنو نجار کا گھرانا سب سے بہتر گھرانا ہے'' (صحیح بخاری3789)۔

شوہر کی شہادت کا غم:

حضرت خولہ ؓ کو اپنے شوہر سیّد الشہداء حضرت حمزہ ؓ کی شہادت کا بے حد دُکھ تھا کہ اُنہوں نے اُن کے ساتھ نہایت پُرسکون اور خوش حال زندگی گزاری تھی۔

وفات:

مؤرخین کے مطابق، اُن کی وفات تیسرے خلیفۂ راشد، حضرت عثمان غنی ؓ کے دورِ خلافت میں ہوئی اور جنّت البقیع میں سپردِ خاک کی گئیں۔ ❀❀❀

رفقاء متوجہ ہوں

ان شاءاللہ

''مسجد تقویٰ متصل پولیس چوکی گرین ٹاؤن، جمال پور روڈ، گجرات'' میں
17 اکتوبر تا 23 اکتوبر 2021ء (بروز اتوار نمازِ عصر تا بروز ہفتہ نمازِ ظہر)

مبتدی وملتزم تربیتی کورس

کا انعقاد ہو رہا ہے۔

نوٹ: ملتزم تربیتی کورس میں مندرجہ ذیل موضوعات پر باہمی مذاکرہ ہوگا۔
رفقاء ان موضوعات پر دستیاب مواد کا مطالعہ کر کے تشریف لائیں:-
☆ جہاد فی سبیل اللہ ☆ اسلام کا انقلابی منشور
زیادہ سے زیادہ احباب ورفقاء متعلقہ پروگرام میں شریک ہوں۔

اور

22 تا 24 اکتوبر 2021ء (بروز جمعہ المبارک نمازِ عصر تا بروز اتوار نمازِ ظہر)

امراء، نقباء ومعاونین تربیتی ومشاورتی اجتماع

کا انعقاد ہو رہا ہے۔

نوٹ: مندرجہ ذیل موضوعات پر باہمی مذاکرہ ہوگا۔ ذمہ داران سے گزارش ہے کہ دستیاب مواد کا مطالعہ کر کے تشریف لائیں۔
☆ منہج انقلاب نبوی ﷺ ☆ شہادت علی الناس واقامت دین
زیادہ سے زیادہ رفقاء اور امراء ونقباء متعلقہ پروگرام میں شریک ہوں۔

موسم کی مناسبت سے بستر ہمراہ لائیں

برائے رابطہ: 0334-4600937 / 053-3600937

المعلن: مرکزی شعبہ تعلیم وتربیت: 78-35473375(042)

نظامِ خلافت کی اہمیت

مولانا محمد اسلم شیخوپوری رحمۃ اللہ علیہ

یوں تو اس کائنات میں بے شمار عجائبات ہیں جن کے بارے میں انسان بے پناہ سائنسی ترقی کے باوجود حیرت و استعجاب میں مبتلا ہے لیکن ان تمام عجائبات میں سب سے بڑا عجوبہ خود انسان ہے۔

کسی نے انسان کے کرتوتوں کو دیکھا تو شیطان کہہ دیا۔ کسی نے اس کے کمالات کو دیکھا تو بھگوان کہہ دیا۔ کسی کو وہ خیر کا پتلا نظر آتا ہے۔ کسی کو وہ شر کا مجسمہ دکھائی دیتا ہے۔ کسی نے اس کی کمزوریوں کو دیکھا تو کہا ضعیف البنیان ہے۔ کسی نے اس کے کارناموں کو دیکھا تو کہا مخفی قوتوں کا جہان ہے۔ کسی نے کہا ہمالیہ ہے۔ کسی نے کہا ذرّہ ہے۔ کسی نے کہا دریا ہے۔ کسی نے کہا قطرہ ہے، کسی نے کہا شعلہ ہے، کسی نے کہا شبنم ہے۔ کسی نے کہا خاک ہے۔ کسی نے کہا آسمان ہے۔ کسی نے کہا جہان ہے۔ کسی نے کہا جانِ جہان ہے۔

اس کی زندگی کے مقاصد پر بحث ہوئی تو ایک نے کہا کہ انسان کا مقصدِ حیات یہ ہے کہ کھائے، پیے اور مرجائے۔

اکبر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست
ایہہ جہاں مٹھاتے اگلا کسی نے ڈِٹھا

دوسرے نے کہا کہ انسانی زندگی صرف گھیان دھیان کے لیے ہے۔ انسان پر لازم ہے کہ وہ اہل وعیال اور مال ومنال کو چھوڑ کر جنگل میں بسیرا کرلے، کسی پہاڑ کے غار میں ٹھکانہ بنالے اور اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں سے کنارہ کش ہوکر عبادت وریاضت میں زندگی گزاردے۔

تیسرے نے کہا کہ انسان تو صرف سائنسی تحقیقات، علمی انکشافات اور نئی نئی ایجادات کے لیے پیدا ہوا ہے۔ اس کا نصب العین صرف یہ ہے کہ وہ اس نظر آنے والی دنیا کی بکھری ہوئی زلفوں کو سنوارے۔

مگر میں جب کلامُ اللہ سے پوچھتا ہوں کہ اے خالق کائنات کی سچی کتاب، اے حقائق کے بند دروازے کھولنے والی کلید لاجواب، تو بتا کہ انسان کی زندگی کا نصب العین کیا ہے؟ تو قرآن مجید دو لفظوں میں جواب دے کر کوزے میں دریا بند کردیتا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ انسان عبد بھی ہے اور خلیفہ بھی اس کی ساری زندگی کا محور اور مقصد عبادت وخلافت ہے۔

جہاں تک عبادت کا تعلق ہے تو یہ انسان کی فطرت میں داخل ہے، اس لیے کہ انسان مخلوق ہے، محتاج ہے، کمزور ہے اور محتاج کا کام یہ ہے کہ وہ غنی کے سامنے جھکے اور اس کے آگے سجدہ کرے۔ اس لیے کہ اگر ہمارے پاس سب کچھ ہو تو ہمیں اس سے مانگنے کی کیا ضرورت ہے۔ ہم تبھی حاجت مندی اس کے سامنے پہنچاتے ہیں کہ ہمارے پاس کچھ موجود نہیں۔

انسان کی زندگی کا دوسرا محور اور مقصد خلافت ہے، کیونکہ یہی انسان جیسے مخلوق کے نمونے رکھتا ہے، خالق کے نمونے بھی رکھتا ہے۔ اس پر یہ فریضہ بھی عائد ہوا کہ جو کام خالق کرتا ہے یہ بھی وہ کام کرے۔ خالق کا کام ہے اپنی مخلوق کو پالنا، اس کی تربیت کرنا، اس کو ہدایت کرنا۔ اس نے مخلوق کو تعلیم دی: اپنے بھائیوں پر رحم کرو جیسے میں تم پہ رحم کرتا ہوں، جس طرح میں تمہیں راستہ دکھلاتا ہوں تم بھی اپنے بھائیوں کو راستہ دکھاؤ۔ جیسے میں تمہاری تربیت کررہا ہوں تم بھی اپنے بچوں اور اہل وعیال کی تربیت کرو۔

یعنی میری طرف سے نائب بن کر وہ کام کرو جو میرے کام ہیں۔ میں مدبر ہوں تم بھی تدبیر کرو، میں موجد ہوں تم بھی ایجادیں کرو، میرا کام ہدایت دینا ہے تم بھی دنیا کے لیے ہادی ہو، میرا کام احکام جاری کرنا ہے تم بھی میرے نائب بن کر احکام جاری کرو۔

حاصل یہ نکلا کہ ایک فریضہ انسان پر عبادت کا ہے اور ایک فریضہ خلافت کا عائد ہوتا ہے۔ ایک طرف جھک کر عبادت کرے گا اور ایک طرف تخت پر بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کا نائب بن کر اس کی کائنات میں تصریحات کرے گا۔

خلافت ایک ایسی عادلانہ سلطنت کے قائم کرنے کا نام ہے جس کا قانون اللہ تعالیٰ کا قانون ہو، جس کی حکومت اللہ تعالیٰ کی حکومت ہو اور جس میں ہر شخص ایک طرح سے خود ہی اپنا حاکم اور محکوم ہو کیونکہ اسلامی سلطنت کسی بادشاہ اور اس کے خاندان کی ملکیت نہیں ہوتی بلکہ ملکیت تو صرف ایک اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے لیکن اس کی نیابت سارے مسلمانوں کا یکساں حق ہوتی ہے۔

یہی نظام، نظامِ خلافت ہے جس میں عدل وانصاف پانی اور ہوا کی طرح عام ہوجاتا ہے۔ یہی وہ نظام ہے جس میں کوئی مفلوک الحال شخص غربت سے تنگ آکر خودکشی نہیں کرتا۔

یہی وہ نظام ہے جس میں وقت کے حکمران کو بھی عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کیا جاسکتا ہے۔

یہی وہ نظام ہے جس میں ہر مظلوم کی بروقت اشک شوئی کی جاتی ہے۔

یہی وہ نظام ہے جس میں حاکم اور محکوم کے لیے ایک قانون ہوتا ہے۔

یہی وہ نظام ہے جو معاشرے کو جنت بنا سکتا ہے۔

یہی وہ نظام ہے جس میں بہنوں اور بیٹیوں کی ردائے عظمت کا تحفظ کیا جاتا ہے۔

علماء نے امامت کی دو قسمیں بیان کی ہیں:

نماز کی امامت کو امامتِ صغریٰ کہتے ہیں اور سنت طریقے سے اسلامی احکامات کے مطابق مسلمانوں کی امارت وحکمرانی کو وہ امامتِ عظمیٰ کہتے ہیں۔

حیرت اور تعجب ہے ہماری حالت پر کہ ہم امامتِ صغریٰ کے حصول کے لیے تو بے حد کوشش کرتے ہیں، اس کے لیے سردھڑ کی بازی لگانے کو تیار رہتے ہیں، اس کے لیے امت کو لڑاتے ہیں، تفرقہ بازی کرتے ہیں، مسجدوں پر قبضے کرتے ہیں، امام کے اندر اگر ذرا سی کمزوری ہو تو سیخ پا ہوجاتے ہیں، لیکن امامتِ عظمیٰ کے لیے ہم ہرکس وناکس پر راضی ہوجاتے ہیں، اس کے لیے قربانی دینے کی بات کی جائے تو ہمارے جسموں پر رعشہ طاری ہوجاتا ہے حالانکہ امامتِ صغریٰ سے تو صرف دین کے ایک جزو پر عمل ہوسکتا ہے، دین کے بڑے حصے سے تو ہم محروم رہ جاتے ہیں، اصل میں امامتِ عظمیٰ کی اہمیت اور عظمت ہمارے دلوں سے نکل گئی ہے ہم امامتِ صغریٰ پر قناعت کرچکے ہیں۔ خدارا، آیئے! اٹھیں کہ یہ اٹھنے کا وقت ہے، جاگیں کہ جاگنے کا وقت ہے۔

سوشلزم کی ناکامی کا اعتراف خود اس کے علمبرداروں نے کرلیا ہے۔ جمہوریت کے نقائص کا اعتراف مغرب میں ہورہا ہے۔

آگے بڑھیں اور مغرب ومشرق کے لیے نظامِ خلافت پیش کردیں کیونکہ یہی نظام ہر دور کے انسان کے دکھوں کا مداوا کرسکتا ہے۔

❁❁❁

کیا اسلامی ریاست کے قیام کا وقت آ گیا؟

اسلامی نظام کے نعرے تو کئی دہائیوں سے بلند ہوتے رہے ہیں۔لیکن اب واقعتاً ایک ایسا فیصلہ کن موڑ آ گیا ہے جہاں اسلامی نظامِ حکومت کا سنجیدگی سے تجربہ کیا جاسکتا ہے۔

کمیونزم ناکام ہو چکا۔مگر طبقاتی تضادات اسی طرح موجود ہیں۔مغربی جمہوریت چاہے وہ صدارتی ہو یا پارلیمانی۔وہ بھی اکثریت کے لئے مایوس کن ہو رہی ہے۔سرمایہ دارانہ نظام کے تابوت میں آخری کیل کووڈ 19 نے ٹھونک دی ہے۔کینبرا سے لے کر واشنگٹن تک ایک بے یقینی اور بے چینی ہے۔خطرہ محسوس ہو رہا ہے کہ سسٹم انسان کو راحت پہنچانے میں نتیجہ خیز نہیں رہا ہے۔یہ بھی زیر بحث ہے کہ انتخابی نظام ووٹرز کو درست نمائندے منتخب کرنے میں مدد نہیں کر رہا ہے۔

امریکہ اور چالیس سے زیادہ ترقی یافتہ، روشن خیال یورپی جمہوریتوں نے افغانستان میں ایک جمہوری مملکت کے قیام کی کوشش کی۔یہاں ان کے صرف فوجی ہی نہیں تھے بلکہ امریکہ، برطانیہ، آسٹریلیا، کینیڈا، اٹلی، جرمنی، نیوزی لینڈ، بلغاریہ، پولینڈ، اسپین، رومانیہ، فن لینڈ، فرانس، ہنگری، ناروے، بلجیم، پرتگال، سویڈن، یونان، آسٹریا اور البانیہ کے ماہرین تعلیم۔قانون دان، سماجیات، عمرانیات، فلسفے کے اساتذہ بھی آ کر کئی کئی ہفتے کئی کئی دن قیام کرتے تھے۔افغانستان کے بہت سے اسکالرز ان ملکوں میں جا کر جدید علوم حاصل کرتے رہے۔سب کی کوشش یہ تھی کہ ایک جدید، حقوق آشنا، پیش بیں، مبنی بر علم افغانستان قائم کر سکیں۔مگر یہ ساری کوششیں بے سود رہیں۔اس کے اسباب پر تحقیق تو یورپ امریکہ میں ہوتی رہے گی۔لیکن انسانوں کی اکثریت کے لئے قابلِ قبول، مساوات پر مبنی معاشرہ قائم کرنے والے نظام کی کمی محسوس کی جا رہی ہے۔

کیا یہ خلا، یہ تجسس، اسلامی اسکالرز کو دعوت نہیں دے رہا ہے کہ اسے اسلامی نظام حکومت سے پُر کیا جائے۔افغانستان میں یورپی مغربی ذہانت، فلسفے، حکمت۔دستوری شعور نا کام ہوئے ہیں۔اب پھر ان سے یہی توقع کرنا کہ وہ کوئی اور ایسا جامع نظام تلاش کر لیں گے، جو قیادت کے خلا کو پُر کر سکے محض ایک خام خیالی ہے۔

اب ذمہ داری ہے سب سے پہلے تو طالبان رہنماؤں کی جو اعلان کر چکے ہیں کہ ان کی حکمرانی کی بنیاد اسلامی شریعہ ہوگی۔تمام قوانین میں بنیادی اصول یہ ہوگا کہ وہ شریعت کے خلاف نہ ہوں۔

پہلے اسلامی ملکوں کے حکمرانوں نے مسلم اسکالرز کی سفارشات کو قبول نہیں کیا۔ایسے میں اسلامی نظام کے خواہشمند نوجوان عسکری اسلام کی طرف راغب ہوتے رہے۔القاعدہ، طالبان، انصار الاسلام، لشکر طیبہ، اسلامک خراسان اسٹیٹ، داعش اور نہ جانے کون کون سی جہادی تنظیموں نے اسلامی ریاست کے قیام کے لئے مسلح راستہ اختیار کیا۔جسے خود مسلمانوں کی اکثریت نے بھی پسند نہیں کیا۔اور ان تنظیموں کا نشانہ بھی زیادہ تر عام مسلمان ہی بنتے رہے۔یہ عسکری پُر تشدد تجربہ ہم مسلمان کر چکے۔اب اسلامی نظام کی آرزو رکھنے والوں کی حمایت اگر اسلامی فکری تنظیموں کے ذریعے حاصل کی جائے بلکہ جہادی تنظیمیں، اسلامی اسکالرز، مسلم سیاستدان، مسلم ماہرین تعلیم اور اسلامی تاریخ پر تحقیق کرنے والے سب مل کر کوئی راہ دکھا سکتے ہیں۔

انڈونیشیا سے بوسنیا تک مسلمانوں کی خواہش ہوگی کہ طالبان، اسلامی ملکوں کی تنظیم اور دولت مند اسلامی ریاستیں کابل میں ملت اسلامیہ کے قانون دانوں، آئینی ماہرین، اسکالرز، اور خواتین اسکالرز کو جمع کریں۔اب تک مختلف ملکوں مختلف زمانوں میں زیر عمل لائے گئے ریاستی نظاموں کی ناکامیوں کے اسباب کا جائزہ لیں۔خامیوں کی نشاندہی کریں۔نظریات خام تھے یا ان پر عمل مخلصانہ نہیں ہوا۔مسلمان کئی صدیوں سے یہ دعویٰ کرتے آ رہے ہیں کہ ہمارے پاس مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ہمارا دین ہر دور، ہر علاقے، ہر صدی کے چیلنجوں کا مقابلہ کرنا سکھاتا ہے تو مختلف ممالک اور مسالک کے علماء اور جدید اسکالرز آج کے حالات میں انسان کو آگے لے کر چلنے والا اسلام کا عمرانی، آئینی، قانونی، فقہی، زرعی، صنعتی، مالیاتی، اقتصادی، تعلیمی، طبّی، انفرا اسٹرکچر، مواصلاتی اور دفاعی نظام مرتب کریں۔اکیسویں صدی میں انسان کائنات کو جہاں تک مسخر کر چکا ہے اور اب نئی کائناتوں میں جانا چاہتا ہے۔سمندر کی تہوں میں تحقیق کر رہا ہے۔ان تمام نئے علوم، سائنسی تجربات انسانی نفسیات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایک مضبوط، باضابطہ، باقاعدہ نظام حکمرانی مرتب کیا جائے۔اظہار کی آزادی، برداشت اور تحمل پر مبنی جامع اسلامی معاشرے کے خطوط کیا ہو سکتے ہیں۔ملائشیا اسلامی پارٹی نے تو 37 صفحات پر مشتمل ایک اسلامی ریاست دستاویز بھی تیار کر رکھی ہے۔جس میں ایسی ریاست کے تصور۔اسلامی حکومت کے بنیادی اصول۔خصوصیات شامل کی گئی ہیں۔امید ظاہر کی ہے کہ معاشرے کو اسلامی نظام حکومت سے خوشحال اور تمام مسائل کا حل مل سکتا ہے۔

ایک واقف حال کا کہنا ہے کہ طالبان ایسا نہیں کریں گے کیونکہ وہ کسی اجتہاد سے اجتناب اور قدیم حنفی وقبائلی تعبیر دین کو معراج باور کرتے ہیں۔وہ اس کے لئے تو تیار ہیں کہ ابلاغیات، مالیات اور ٹیکنالوجی میں جو چاہے تعاون کرے۔مگر فکر و خیال کے گیٹ پر بڑا سا تالا لگا کر اس کی حفاظت کو ہی درست سمجھتے ہیں۔

معلوم نہیں یہ رائے کس حد تک درست ہے۔مگر میں سمجھتا ہوں کہ وقت کا تقاضا ہے کہ اسلامی اسکالرز کو یہ اجتماعی کوشش کر لینی چاہئے۔ایسا موزوں وقت پہلے تاریخ میں نہیں آیا ہوگا۔ایسا اجتماع اسلام آباد میں منعقد کر کے اسلام آباد اپنے نام کی لاج رکھ سکتا ہے۔اسلامی نظریاتی کونسل اس سلسلے میں بہت کام کر چکی ہے۔اس سے استفادہ کیا جائے۔(ماخوذ از روزنامہ ’’جنگ‘‘)

دعائے مغفرت

انا للہ وانا الیہ راجعون

☆ حلقہ کراچی شمالی، ناظم آباد کے جناب عدنان احمد کے والد وفات پا گئے۔

برائے تعزیت: 0333-3521512

☆ تنظیم اسلامی گل گشت ملتان کے ناظم دعوت جناب فاروق احمد کے بڑے بھائی وفات پا گئے۔

برائے تعزیت: 0321-6310029

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔قارئین سے بھی ان کے لیے دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَھُمَا وَارْحَمْھُمَا وَاَدْخِلْھُمَا
فِیْ رَحْمَتِكَ وَحَاسِبْھُمَا حِسَابًا یَّسِیْرًا

حلقہ کراچی جنوبی کے زیر اہتمام نفاذ دین اسلام مہم

نفاذ دین اسلام مہم کے آغاز میں حلقہ کراچی جنوبی کے تحت اتوار، 29 اگست 2021ء کو دومقامات کورنگی شرقی واختر کالونی میں دعوتی اجتماعات کا انعقاد کیا گیا۔کورنگی شرقی میں معاونت کے لیے تنظیم لانڈھی، کورنگی غربی اور کورنگی وسطی کے رفقاء شریک ہوئے جبکہ اختر کالونی میں معاونت کے لیے سوسائٹی، ڈیفنس، کلفٹن، قرآن اکیڈمی اور اولڈ سٹی کے رفقاء نے شرکت کی۔اس کے علاوہ دومقامات لانڈھی وکورنگی غربی دعوتی اجتماعات کا انعقاد مہم کے اختتام پر 19 ستمبر 21ء بروز اتوار کو ہوا۔لانڈھی تنظیم میں معاونت کے لیے تناظیم کورنگی شرقی، کورنگی وسطی اور ڈیفنس کے رفقاء شریک ہوئے جبکہ کورنگی غربی میں معاونت کے لیے سوسائٹی، اختر کالونی، کلفٹن، قرآن اکیڈمی اور اولڈ سٹی کے رفقاء نے شرکت کی۔ حلقہ کراچی جنوبی میں مہم کا اختتام انہی دو اجتماعات پر ہوا۔مختصراً کارروائی درج ذیل ہے۔

کورنگی شرقی: کورنگی شرقی تنظیم اور دیگر معاونین تناظیم پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق شام 4:00 بجے قرآن اکیڈمی کورنگی جمع ہوئے۔جہاں باقاعدہ کارروائی کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا، جس کی سعادت حافظ اوّاب نے حاصل کی۔ بعدازاں نظم بعنوان ''راہِ وفا میں ہر سُو کانٹے'' حافظ ریان نے سنائی۔آدابِ دعوت وتذکیر کی سعادت امیر کورنگی وسطی محترم عامر خان نے حاصل کی۔ بعدازاں امیر حلقہ کراچی جنوبی محمد فیصل منصوری صاحب نے دعوتی ملاقاتوں کے لیے رفقاء کی تشکیل فرمائی۔دعوتی وفود نے پہلے سے طے شدہ متعین علاقوں میں پہنچ کر نماز عصر تا نماز مغرب گھر گھر دعوتی گشت کیا، ملاقات میں احباب کو مہم کے اغراض ومقاصد کے ساتھ ساتھ بعد نماز مغرب ہونے والے خصوصی خطاب عام میں شرکت کی دعوت دی۔ بعد نماز مغرب نائب ناظمِ اعلیٰ، جنوبی پاکستان، جناب نعمان اختر نے مہم کے حوالے سے طے کیے گئے موضوع ''نفاذ دین اسلام! کیا؟ کیوں؟ اور کیسے؟'' پر تفصیلی خطاب فرمایا۔یہ خطاب اذان عشاء پر مکمل ہوا جس میں تقریباً 250 حضرات اور 60 خواتین نے شرکت فرمائی۔مکتبہ کا سٹال بھی لگایا گیا تھا اور اختتام پر شرکاء میں مہم سے متعلق مطالعاتی مواد بھی تقسیم کیا گیا۔

اختر کالونی: اجتماع کے روز میزبان تنظیم کے رفقاء بعد نماز ظہر جمع ہوئے۔جبکہ معاونت کے لیے دیگر تناظیم کے رفقاء نماز عصر کے بعد جمع ہوئے۔اجتماع کے پہلے حصہ میں ناظم تربیت ڈاکٹر محمد الیاس نے آداب دعوت بیان کیے۔بعدازاں امیر حلقہ نے دعوتی ٹیمیں تشکیل دیں۔جنہوں نے پہلے سے طے شدہ متعین مقام پر نماز مغرب ادا کی۔ بعد نماز مغرب بعض مساجد میں کارنر میٹنگز کا اہتمام بھی کیا گیا۔دعوتی ملاقاتوں کا سلسلہ نماز عشاء تک جاری رہا اور بعد نماز عشاء مہم کے حوالے سے طے شدہ موضوع ''نفاذِ دینِ اسلام کیا؟ کیوں؟ کیسے؟'' پر تفصیلی خطاب فرمایا۔جس میں 200 رفقاء واحباب اور تقریباً 50 خواتین نے شرکت کی۔اختتام پر احباب میں کتاب ''نفاذ دین اسلام کیا؟ کیوں؟ کیسے؟ تحفتاً تقسیم کی گئی۔

لانڈھی مرکز: اجتماع کے دن لانڈھی کے رفقاء بعد نماز ظہر مرکز میں جمع ہوئے۔مقامی امیر نے انتظامی حوالے سے خصوصی ہدایات دیں۔شام 4:00 بجے دیگر تناظیم کے رفقاء بھی پہنچنا شروع ہوگئے۔اجتماع کے پہلے حصے کا آغاز حافظ محمد نعمان کی تلاوتِ قرآن حکمت سے ہوا۔اس کے بعد معتمد حلقہ محمد سہیل نے آداب دعوت پر گفتگو فرمائی۔ بعدازاں امیر حلقہ کراچی جنوبی جناب محمد فیصل منصوری نے دعوتی ملاقاتوں کے لئے رفقاء کی تشکیل فرمائی۔رفقاء نے پہلے سے متعین علاقوں میں پہنچ کر نماز عصر تا مغرب دعوتی کوشش کی اور لوگوں سے ملاقاتیں کر کے انہیں مہم سے آگاہی اور بعد نماز مغرب ہونے والے خصوصی خطاب کی دعوت دی۔بعد نماز مغرب دوسرے حصے کا آغاز حافظ محمد لقمان کی تلاوتِ کلام پاک سے ہوا جس کے بعد امیر ڈیفنس تنظیم جناب عاطف اسلم نے مہم کے حوالے سے طے کیے گئے موضوع ''نفاذِ دینِ اسلام کیا؟ کیوں؟ کیسے؟'' پر تفصیلی خطاب فرمایا۔یہ خطاب اذان عشاء پر مکمل ہوا۔خطاب میں اوسطاً 85 حضرات اور 35 خواتین نے شرکت کی۔

کورنگی غربی تنظیم: کورنگی غربی تنظیم اور دیگر معاون تناظیم کے رفقاء پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق شام 4:00 بجے دعوتی کیمپ میں جمع ہوئے۔جہاں باقاعدہ کارروائی کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا اس کے بعد ناظمِ تربیت، حلقہ کراچی جنوبی، ڈاکٹر محمد الیاس نے تذکرآدابِ دعوت بیان کیے۔بعدازاں ڈاکٹر محمد الیاس نے دعوتی ملاقاتوں کے لئے رفقاء کی تشکیل فرمائی۔مقامی امیر سعد الرحمان نے تشکیل شدہ وفود کے امراء کو خصوصی ہدایات دیں۔جس کے بعد دعوتی وفود نے پہلے سے متعین علاقوں مں پہنچ کر نمازِعصر تا نمازِ مغرب گھر گھر دعوتی گشت کیا، لوگوں سے ملاقاتیں کر کے انہیں مہم کے اغراض ومقاصد سے آگاہ کیا اور بعد نماز مغرب ہونے والے خصوصی خطاب میں شرکت کی دعوت پیش کی۔بعض احباب کی جانب سے اس مہم اور موضوع کو سراہا گیا اور وقت کی ضرورت قرار دیا گیا۔بعد نماز مغرب غلام حسین نے تلاوتِ قرآن کی سعادت حاصل کی۔جس کے بعد نائب ناظمِ اعلیٰ، جنوبی پاکستان، جناب نعمان اختر نے مہم کے حوالے سے طے کیے گئے موضوع ''نفاذ دین اسلام کیا؟ کیوں؟ اور کیسے؟'' پر تفصیل سے خطاب فرمایا۔یہ خطاب اذان عشاء پر مکمل ہوا پروگرام میں تقریباً 150 حضرات اور 30 خواتین نے شرکت فرمائی۔قابلِ ذکر امر ہے کہ علماء، مفتیان، خطباء اور طلبہ نے بھی خطاب میں شرکت فرمائی۔

دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ دین اللہ کی خاطر ہم سب کی سعی وجہد کو قبول فرمائے اور اقامت دین کی جدوجہد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین!

(مرتب: رفیق تنظیم حلقہ کراچی جنوبی)

حلقہ کراچی شمالی کے زیر اہتمام نفاذ دین اسلام مہم

تنظیم اسلامی کے تحت جاری 3 ہفتوں پر محیط ''نفاذ دین اسلام مہم'' کے سلسلہ میں حلقہ کراچی شمالی کے زیر اہتمام 12 ستمبر بروز اتوار بعد نماز عشاء بعنوان ''نفاذ دین اسلام کیا، کیوں اور کیسے'' ایک جلسہ عام کا انعقاد ہوا۔اس جلسہ کا اہتمام پورے کراچی کی سطح پر کیا گیا تھا۔حلقہ کراچی شمالی کی مقامی تنظیم ناظم آباد نے اس جلسہ عام کی میزبانی کے فرائض انجام دیئے۔جلسہ کے لیے رفقاء کو مختلف ذمہ داریاں تفویض کی گئیں تھی جو کہ الحمد اللہ رفقاء نے بحسن وخوبی انجام دیں- انجمن خدام القران سندھ کراچی کی جانب سے مکتبہ اور IT کی معاونت فراہم کی گئی تھی۔تشہیر کے سلسلے میں 54 پیڈسٹیرین بینرز، 50 کراس بینرز، اور 23000 ہینڈ بلز کے علاوہ رفقاء نے ذاتی دعوت کے ذریعے، مساجد کے باہر کارنر میٹنگز اور سوشل میڈیا کے ذریعے اس جلسہ عام کی بھرپور تشہیر کی۔

جلسہ کے باقاعدہ آغاز سے قبل بانی محترمؒ کے مختصر آڈیو کلپ سنوائے گئے۔جلسے کا

باقاعدہ آغاز 9:00 بجے تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ اسٹیج سیکرٹری کے فرائض حلقہ کراچی شمالی کے ناظم تربیت جناب سید فاروق احمد نے انجام دیئے۔ مقامی تنظیم سرجانی ٹاؤن کے سینئر رفیق حافظ ایاز نے سورہ شوریٰ کی آیات 13 تا 15 کی تلاوت و ترجمہ کی سعادت حاصل کی۔ اس کے بعد اسٹیج سیکرٹری نے امیر تنظیم اسلامی محترم شجاع الدین شیخ حفظہ اللہ کو اس جلسہ عام سے خطاب کی دعوت دی تو ناظم آباد میں واقع 3 ہزار افراد کی گنجائش رکھنے والا خوبصورت مرحبا بنکویٹ اپنی تمام تر فراخی کے باوجود تنگیٔ داماں کا شکوہ کر رہا تھا۔ 3500 سے اوپر رفقاء و احباب نے کمال تحمل، توجہ اور انہماک کے ساتھ امیر محترم کا خطاب سنا۔ جس میں امیر محترم نے مختصراً ہمارے دینی فرائض بیان کئے اور پھر تفصیل کے ساتھ اس موضوع کی اہمیت، دین کا وسیع تصور، نفاذ دین کی برکات، اقامت دین کی جدوجہد کے فرض ہونے کے دلائل اور اس کے حوالے سے اسلاف کی آراء اور اقامت دین کے حوالے سے مختلف مناہج اور منہج نبویؐ کو بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ بلاشبہ پاکستان عطیہ خداوندی ہے۔ اس میں اللہ اور رسول ﷺ کے عطا کردہ اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی کے سوا کوئی اور نظام کارفرما نہ ہو سکے گا۔ عوام الناس سے گزارش ہے کہ جہاں بجلی، گیس اور دیگر مسائل پر احتجاج کرتے ہیں اور مطالبات پیش کرتے ہیں وہاں سب سے بڑھ کر پُرخلوص اور پُرجوش انداز میں نفاذِ دین اسلام کے لیے جان گسل جدوجہد کرنے کی ضرورت ہے۔ خطاب تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہا۔ نائب ناظم اعلیٰ جنوبی پاکستان اور کراچی کے تینوں حلقوں کے امراء بھی جلسہ میں موجود تھے۔ پرنٹ میڈیا کے نمائندے بھی جلسہ کی رپورٹنگ کے لیے موجود تھے۔

امیر محترم کی دعا پر اس جلسہ کا اختتام ہوا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کی سعی و جہد کو اپنی بارگاہ میں قبول و مقبول فرمائے اور جن رفقاء نے اس جلسے کے حوالے سے ذمہ داریاں ادا کی ہیں اللہ ان کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ (آمین!) (رپورٹ: محمد ارشد)

حلقہ خیبر پختونخوا جنوبی کے زیر اہتمام نفاذِ دین اسلام مہم

حلقہ نے 19 ستمبر، 2021ء بروزِ ہفتہ ایک مظاہرے کا انعقاد کیا۔ ساڑھے دس بجے رفقاء نے راقم کی سرکردگی میں سویکارنو سکوائر سے واک شروع کیا جو خیبر بازار، جیل پل، شیر شاہ سوری روڈ اور سنہری مسجد روڈ سے ہوتا ہوا 11 بجے پشاور پریس کلب پہنچا۔ رفقاء نے پشاور پریس کلب کے سامنے 45 منٹ مظاہرہ کیا۔ اس مظاہرے میں 67 رفقاء واحباب نے شرکت کی۔ شرکاء نے ہاتھوں میں ٹی بورڈز اور بینرز اٹھا رکھے تھے جس پر مہم کے حوالے سے مختلف عبارات درج تھیں۔ کچھ رفقاء نے مظاہرے اور واک کے دوران ہینڈ بلز اور سہ ورقہ تقسیم کرنے کی ذمہ داری ادا کی۔

اس دوران میڈیا کے لوگوں اور پولیس کے اہلکاروں نے ہمارے ساتھ کافی تعاون کیا۔ میڈیا کے لوگوں نے مظاہرے کی coverage کی اور راقم، ناظم تربیت حلقہ محترم فضلِ باسط اور ناظم دعوت مقامی تنظیم پشاور شہر محترم وارث خان کے تاثرات ریکارڈ کیے جبکہ پولیس کے اہلکاروں نے سکیورٹی کے فرائض احسن طریقے سے سرانجام دیئے۔

پورے مظاہرے کے دوران امیر محترم حفظ اللہ کا ''نفاذِ دین اسلام مہم۔ کیا؟ کیوں؟ اور کیسے؟'' کے حوالے سے ریکارڈ کیا گیا آڈیو بیان ساؤنڈ سسٹم کے ذریعے سناتے رہے۔ جسے عوام الناس نے بہت توجہ سے سنا اور سراہا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت پر استقامت عطا فرمائے اور ہمارا حامی و ناصر ہو۔ (رپورٹ: محمد شمیم خٹک)

فکر و نظر

اخلاص کا صلہ اور شہرت پسندی کی بیماری

خلیل الرحمن چشتی

امام ابن قتیبہ نے اپنی مشہور کتاب ''عیون الأخبار'' (1266) میں ایک واقعہ بیان کیا ہے۔ مسلم افواج کے سپہ سالار حضرت مسلمہ ؒ نے ایک قلعے کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ چالیس روز گزر گئے مگر قلعہ ناقابلِ تسخیر بنا رہا۔ غور وخوض کے بعد انھوں نے ایک سرنگ کے راستے سے شہر میں داخل ہونے اور صدر دروازے کھولنے کی پلاننگ کی۔ کام بڑے جوکھم کا تھا، اس لیے کسی کو مجبور کرنے کے بجائے انھوں نے رضا کارانہ طور پر کسی کو بھی اپنا نام پیش کر دینے کی ہدایت کی۔ مگر فوج میں سے کوئی بھی سامنے نہیں آیا۔ شام ڈھلے ایک سپاہی آگے آیا، اس نے اپنا چہرہ جنگی خود میں چھپا رکھا تھا۔ وہ جان کی بازی لگا کر سرنگ کے راستے قلعے میں داخل ہوا اور مسلمانوں کے لیے صدر دروازہ کھول دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح مسلمانوں کو فتح سے نوازا۔

فتح کے بعد حضرت مسلمہ ؒ نے عام منادی کرائی کہ سرنگ میں داخل ہونے والا سپاہی سامنے آئے تاکہ علانیہ اس کے ساتھ اعزاز واکرام کا معاملہ کیا جا سکے، مگر کوئی نہیں آیا۔ تین دن تک مسلسل اعلان کیا جاتا رہا، مگر نتیجہ وہی رہا۔ تھک کر انھوں نے اعلان کرایا کہ میں نے اپنے خادمِ خاص کو اجازت دے دی ہے کہ سرنگ میں داخل ہونے والا مجاہد جس وقت بھی چاہے مجھ سے ملنے آ جائے۔ وہ براہِ راست میرے پاس آ سکتا ہے۔ اسے روکا نہیں جائے گا اور میں قسم دے کر اس سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ مجھ سے ایک بار ضرور آ کر ملے۔

اس منادی کے بعد رات کے آخری پہر میں ایک شخص آیا اور خادم سے حضرت مسلمہ ؒ کے پاس لے چلنے کی درخواست کی۔ حاضرین وخدام نے پوچھا کہ کیا تم ہی سرنگ والے سپاہی ہو؟ اس نے کہا: ''میں وہ نہیں ہوں، لیکن میں تمھیں اس کے بارے میں بتا سکتا ہوں۔'' خادموں نے جا کر یہ بات حضرت مسلمہ ؒ کو بتائی تو وہ فی الفور ملنے کے لیے رضامند ہو گئے۔

ملاقات ہوئی تو اس آدمی نے کہا: ''سرنگ والے سپاہی نے آپ سے ملنے کی تین شرطیں رکھی ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا نام خلیفۃ المسلمین کے سامنے ذکر نہ کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ اسے کسی قسم کا انعام نہ دیا جائے۔ تیسرے یہ کہ اس سے پوچھا نہ جائے کہ وہ کون ہے، کس قبیلے سے ہے اور کہاں اس کا گھر ہے۔'' حضرت مسلمہ ؒ نے تینوں شرطیں مان لیں تو اس آدمی نے کہا: ''سرنگ والا سپاہی میں ہوں۔'' اور چلا گیا۔

راوی کہتا ہے کہ اس واقعے کے بعد سے حضرت مسلمہ ؒ کا معمول تھا کہ اکیلے نماز پڑھتے یا جماعت کی امامت کرتے، وہ نماز کے بعد باآوازِ بلند یہ دعا ضرور مانگتے تھے کہ ''اے اللہ، میرا حشر، اس سرنگ والے سپاہی کے ساتھ فرما۔ اے اللہ اپنے گمنام بندے کو اپنی بہشت میں جگہ دے کر اس کا شایان شان اکرام فرما۔''

جب بھی اس واقعے کو یاد کرتا ہوں، عجیب کیفیت دل پر طاری ہو جاتی ہے۔ کیا آج ہماری صفوں میں کچھ سرنگ والے دکھائی دے رہے ہیں؟ کیا ہماری تحریکوں اور جماعتوں میں کچھ سرنگ والے موجود ہیں؟ کیا ہمارے اداروں میں کچھ سرنگ والے موجود ہیں؟ دوسروں کو چھوڑیے، کیا ہم خود سرنگ والے ہیں یا اس جیسا بننے کا حوصلہ اور عزم رکھتے ہیں؟

اف یہ جادہ کہ جسے دیکھ کے ڈر لگتا ہے
کیا مسافر تھے جو اس راہ گزر سے گزرے

Clear Away the Hype: The U.S. and Australia Signed a Nuclear Arms Deal, Simple as That

By Vijay Prashad

On September 15, 2021, the heads of government of Australia, the United Kingdom and the United States announced the formation of AUKUS, "a new enhanced trilateral security partnership" between these three countries. Australia's Prime Minister Scott Morrison and Britain's Prime Minister Boris Johnson joined U.S. President Joe Biden to "preserve security and stability in the Indo-Pacific," as Johnson put it.

While China was not explicitly mentioned by these leaders at the AUKUS announcement, it is generally assumed that countering China is the unstated motivation for the new partnership. "The future of the Indo-Pacific," said Morrison at the press conference, "will impact all our futures." That was as far as they would go to address the elephant in the room.

Zhao Lijian of the Chinese Foreign Ministry associated the creation of AUKUS with "the outdated Cold War zero-sum mentality and narrow-minded geopolitical perception." Beijing has made it clear that all talk of security in the Indo-Pacific region by the U.S. and its allies is part of an attempt to build up military pressure against China. The BBC story on the pact made this clear in its headline: "Aukus: UK, US and Australia launch pact to counter China."

What was the need for a new partnership when there are already several such security platforms in place? Prime Minister Morrison acknowledgedthis in his remarks at the press conference, mentioning the "growing network of partnerships" that include the Quad security pact (Australia, India, Japan and the United States) and the Five Eyes intelligence-sharing group (Australia, Canada, New Zealand, the UK and the United States).

A closer look at AUKUS suggests that this deal has less to do with military security and more to do with arms deals, morphing Australia into a 'Nuclear Australia' to intimidate the entire South China Sea region and beyond.

Prime Minister Morrison announced that "[t]he first major initiative of AUKUS will be to deliver a nuclear-powered submarine fleet for Australia." Two red flags were immediately raised: first, what will happen to Australia's preexisting order of diesel-powered submarines from France, and second, will this sale of nuclear-powered submarines violatethe Nuclear Non-Proliferation Treaty (NPT)?

Australia ratified the NPT in 1973, and it is also a signatory to the Treaty of Rarotonga (1985), or the South Pacific Nuclear-Free Zone Treaty. It does not have nuclear weapons and has pledged not to have nuclear material in the South Pacific. Australia is the second-largest producer of uranium after Kazakhstan, and most of this nuclear material is sold to the UK and the U.S. For the past several decades, Australia has been considered a "nuclear threshold" state, but it has opted not to escalate its nuclear weapons program. The three heads of government of Australia, the U.S. and the UK have stated that the transfer of the nuclear-powered submarines is 'not the same' as the transfer of nuclear weapons, although these new submarines will be capable of launching a nuclear strike. For that reason, not only China but also North Korea, Indonesia and Malaysia has warned about a new arms race in the region after the AUKUS submarine deal.

On September 16, the Australian and U.S. governments released a joint statement that included a direct attack on China, with reference to the South China Sea, Xinjiang, Hong Kong, and Taiwan. Two days later, an article in Australia's leading newspaper, the Australian, by Paul Monk, who is the head of the China Desk at Australia's Defence Intelligence Organization, stated that his government should "facilitate a coup within China's Communist Party." This is a direct call for regime change in China by Australia.

The belligerent language from Australia should not be taken lightly. Even though China is Australia's largest trading partner (both in terms of exports and imports), the creation of these new military pacts—with a nuclear edge to them—threatens security in the region. If this is merely an arms deal hidden behind a military pact, then it is a cynical use of war-making rhetoric for business purposes. This cynicism could eventually lead to a great deal of suffering.

<u>**Source**</u>*: Article produced by "Globetrotter". Posted on https://www.counterpunch.org/*

Vol. 30 Regd. C.P.L NO. 114 No.37

Weekly **Nida-e-Khilafat** Lahore